باطل کے خلاف حق کی آواز

مجلۃ الحقیقہ شکرگڑھ

اکتوبر 2000 / رجب المرجب 1421

بھارت میں نچلی ذاتوں کی حالت زار

چشم کشا رپورٹ

امام اعظم اور علم حدیث

درس قرآن

تعوذ کے تفسیری نکات

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

(میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے)

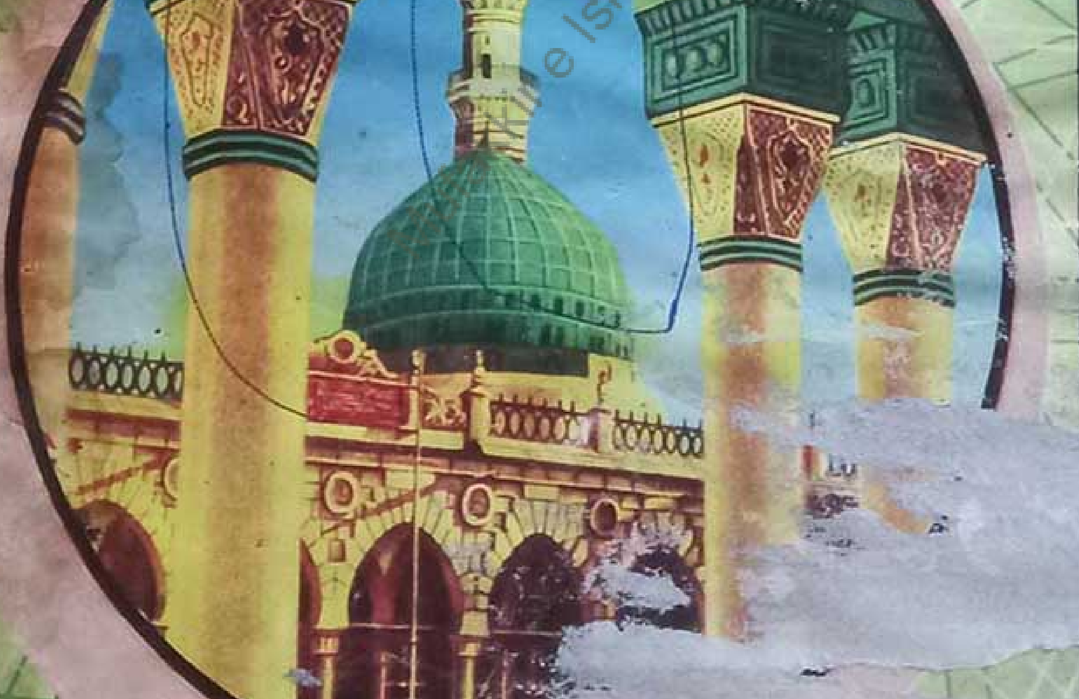

حمد و نعت

شعور مردہ ہوئے ، زندگی کی بات کرو   خدا کی حمد سناؤ ، نبی کی بات کرو
دل و نگاہ میں پھیلا شبِ الم کا غبار   مہ ھدا سے کوئی روشنی کی بات کرو
خدا نے بھیجا ہے سرکار کو بنا کے کریم   مناؤ عیدِ ولادت ، خوشی کی بات کرو
خدا ، رسول ہی دونوں تمہارے وارث ہیں   انہی کا ذکر کرو ، اور انہی کی بات کرو
خدا گواہ بنے گی مری ، تمہاری برات   شبِ فراق کے تارو ، نبی کی بات کرو
نبی کی یاد میں روشن ہوا ہے دل کا چراغ   ہواؤ ٹھہرو نہ اب ، دل لگی کی بات کرو
تمہارا دیں بھی ، خدا بھی ، نبی ، کتاب بھی ایک   خدارا تم بھی کبھی دوستی کی بات کرو
تمہارا نام ، یہ اہل جفا مٹا دیں گے   حرم کے نکتہ ورو! حق رسی کی بات کرو
خدا ، رسول کے دشمن کو جو عزیز رکھے   ہمارے ساتھ نہ اس آدمی کی بات کرو
دکھاؤ حضرت عثماں کے پیار کارستہ   عتیق و عمر و بلال و علی کی بات کرو
میں مانتا ہوں قصور جناں کی رنگینی   یہاں تو شہرِ نبی کی گلی کی بات کرو

جمود ، چھایا ہے فکر و نظر کی دنیا پر
غلاؔم زارِ اٹھو آگہی کی بات کرو

غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے

باطل کے خلاف حق کی آواز

مجلۃ التحقیق شکر گڑھ

اکتوبر 2000 / رجب المرجب 1421

سرپرستِ اعلیٰ

مفکرِ اسلام حضرت علامہ پروفیسر

محمد حسین آسی (رح)

جلد نمبر 1 شمارہ نمبر 1

ہدیہ مجلّہ 10 روپے سالانہ 100 روپے

مدیر اعلیٰ

شجاعت علی مجاہد ایم اے

ادارت

علامہ محمد اشرف قادری (مراڑیاں شریف)

ڈاکٹر ظفر اقبال نوری (امریکہ)

علامہ محمد نور المصطفٰے رضوی (خانقاہ ڈوگراں)

علامہ محمد حنیف قادری (سیالکوٹ)

علامہ محمد صدیق ضیاء

ڈاکٹر قمر تابش (سیالکوٹ)

محمد عارف نقشبندی (سیالکوٹ)

علامہ محمد سعید نقشبندی (شکر گڑھ)

رابطہ برائے ترسیل زر و خط و کتابت

صوفی محمد آصف نقشبندی

مدیر مسئول

غلام مصطفٰے مجددی ایم، اے

فہرست

آغاز سفر	1	حضرت انسان	37
درس قرآن	7	دور بے حیائی کے چنے کے	44
درس حدیث	10	جہان کتاب	49
ضرورت فقہ	12	انسانیت کیلئے ابدی پیغام	50
معراج اور اصلاح عقائد	19	معراج کے گوشے	53
امام اعظم اور علم حدیث	23	بیت المال کی اہمیت	59
آدم و ابلیس	31		
ملفوظات حضور نقش لاثانی	33		

مشیر قانون

جناب غلام فرید چوہدری ایڈووکیٹ

شیرانِ اسلام پاکستان (شکر گڑھ) نے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کلمۃ الحقیقہ

پروفیسر

محمد حسین آسی

آغاز سفر

دور حاضر میں اسلام کے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے، کسی بھی باخبر انسان سے پوشیدہ نہیں۔ خوب فرمایا ہے کسی صاحب نظر نے، من کان باکیا فلیبک علی الاسلام (یعنی جسے رونا ہو وہ دین حق کے بارے میں روئے) اسلام کے دشمن دنیا کے ہر براعظم بلکہ ساری دنیا میں باہم متحد ہیں اور ان کے اتحاد کی ساری بنیاد اسلام اور اہل اسلام کو (معاذ اللہ) صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی آرزو اور کوشش ہے۔ پھر انکی یہ سوچ چند روزہ نہیں بلکہ صدیوں سے وہ اپنے اسی پروگرام پر عمل پیرا ہیں (اگرچہ ان کا موجودہ اتحاد بہت پرانا نہیں، بلکہ ابھی کل تک وہ باہم دست و گریباں تھے) یعنی آج عیسائیت اور یہودیت کے علمبرداروں بلکہ شرک و الحاد کے پرستاروں کی بھی پہلی آرزو یہ نہیں کہ عیسائیت پھلے پھولے یا مثلاً یہودیت کو فروغ حاصل ہو یا یہ کہ شرک و الحاد بڑھے بلکہ ایک ہی تمنا ہے جس کی تکمیل کے لئے وہ بیتاب و سرگرم عمل ہیں اور وہ ہے دین اسلام اور امت مسلمہ کا قلع قمع کرنا۔ چند سال قبل پھر بھی صورت حال کچھ مختلف تھی مگر اب امریکہ کے واحد سپر پاور بن جانے کے بعد اس کی ساری توجہ اسی ایک نقطے پر مرکوز ہے۔ اقوام متحدہ اس کی کنیز بن چکی ہے اور آئی ایم ایف جیسے ادارے اس نے لے پالک۔ بظاہر کوئی اس کے آگے دم نہیں مار سکتا اور وہ خونخوار بھیڑیا۔ گویا مسلمانوں کے خون ہی کا پیاسا نظر آتا ہے۔ یقین کیجئے دنیا میں جہاں کہیں اہل اسلام کا قتل عام ہو رہا ہے۔ امریکہ اور اس کے حواریوں کی شہ پر ہی ہو رہا ہے۔ بوسنیا، چیچنیا اور کشمیر جنت نظیر میں جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے۔ امریکہ کے اشارہ ابرو کی برکت ہے۔

ایک طرف یہ صورت حال ہے۔ تو دوسری طرف اہل حرم کی بے حسی، بے خبری اور بے دلی اور بھی تکلیف دہ ہے۔ یہ دشمنوں کے عزائم سے واقف ہیں اور نہ ان کی گہری سازشوں سے۔ دشمن کی یلغار اہل ایمان کے عقائد و اعمال، شعار دینی، تہذیب و تمدن سب کو اپنی لپیٹ میں لینا چاہتی ہے مگر اپنا حال یہ ہے کہ سخت ترین شکنجوں میں پھنسنے کے باوجود خود کو آزاد سمجھ کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے۔ ناچ رہے ہیں، کود رہے ہیں، خزاں میں جشن بہاراں منا رہے ہیں اور بدترین دشمنوں کو بہترین دوست خیال کر کے اپنے فیصلے پر داد طلب بھی ہیں۔ ذرا سوچئے وہ صورت حال کتنی عجیب، نازک اور تباہ کن ہوگی جب گھر کی حفاظت کیلئے سب سے بڑے دشمن کو گھر میں بلا لیا جائے۔

کیا ایسا ہو سکتا ہے؟ جی ایسا ہو رہا ہے۔ دیار حبیب ﷺ جس سے ساری دنیا میں ایمان و عرفان کی روشنی پھیلی تھی۔ آج اس کی حفاظت کے لئے پورے عالم اسلام میں کوئی "لشکر" قابل اعتماد نہیں رہا۔ اس کی نگہداشت کیلئے چچا سام کا احسان اٹھایا جا رہا ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے بیٹے سے دوا لیتے ہیں

وہ امریکہ جو ہر کہیں (معاذ اللہ) اسلام ہی کو تہ و بالا کرنے کے درپے ہے اور ملت اسلامیہ کی ذرا سی فلاح و بہبود کو بھی برداشت نہیں کر سکتا، جو پاکستان کا غمخوار بن کر اسے ہمیشہ نقصان پہنچاتا رہا اور جسے کرگل پر اسلام کا جھنڈا لہرانا ہضم نہ ہو سکا۔ اسی یہود نواز بلکہ یہود پرست کو حرمین کا پاسبان سمجھا جا رہا ہے۔ اور اس حد تک سمجھا جا رہا ہے کہ عقل اس طرز فکر پر دنگ ہے۔ امریکہ مسلمان حکمرانوں پر مسلط ہو کر انکے ملکوں پر مسلط ہوتا ہے اور پھر معاذ اللہ اسلام کی تباہی کیلئے نہایت باریک منافقانہ جال بچھاتا ہے، مگر سعودی عرب کے حکمرانوں پر زیادہ ہی مسلط ہے کیونکہ ان کا یہی واحد سہارا ہے۔ اسی امریکہ کے اشارے پہ فحاشی پھیلا کر حرمین شریفین کے تقدس کو پامال کرنے کیلئے جو کچھ کیا جا رہا ہے۔ اس پر دل خون کے آنسو روتا ہے مگر کہی خفتہ در بطحا۔

اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کیلئے اپنے وطن عزیز میں کئی جہادی تنظیمیں میدان میں آچکی ہیں اور ایک عرصے سے ان کا بہت شور وغل ہے۔ دعویٰ یہ ہے کہ وہ کشمیر میں تلوار سے جہاد کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اگر یہ دعویٰ سچا ہے تو فی الواقع بہت بڑی سعادت ہے۔ یقیناً "جہاد" ہی ہمارے مسائل کا حل ہے اور قوم اگر ذوق جہاد سے آشنا ہو جائے تو اسی کا نام بیداری قلب ہے۔ ہم ایسے دعوے سن کر خوش بھی ہوتے ہیں مگر اس بات پر ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ ان جہادی تنظیموں کے ترجمان جرائد جو پاکستان میں وسیع پیمانے پر پھیلائے جاتے رہے ہیں عموماً فرقہ وارانہ ذہنیت کے علمبردار ہیں اور نئی نسل کو اپنے ملی و روحانی ورثہ سے دور لئے جا رہے ہیں۔ اس دور میں جس کا مختصر سا نقشہ اوپر آ گیا ہے۔ دشمنوں کی سازشوں اور مختلف ہتھکنڈوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سب سے بڑی ضرورت اتحاد ملت ہے، مگر یہ مجاہدین قوم کو پارہ پارہ کرنے کیلئے اتنے بیقرار اور ان کی زبان اتنی نفاق انگیز ہے کہ انسان حیران ہو کر پوچھنے لگتا ہے۔ ان کا جہاد کس کے خلاف ہے۔ اگر یہ واقعی کشمیر میں کشتوں کے پشتے لگا رہے ہیں تو اپنی ملت کا شیرازہ بکھیرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔ ان کے دعوے کے مطابق ان کا جہاد بالسیف (تلواری جہاد) کافروں کے خلاف ہے تو ان کی تحریروں کے مطابق ان کا جہاد باللسان (یعنی زبان سے جہاد) بزرگان اسلام کے خلاف ہے۔

ایک "لشکر" کی دعوت و تبلیغ کے چند سالوں کے جارحانہ انداز دیکھ لیجئے اسلام کا کونسا قابل فخر مبلغ ہے جو ان کی تیغ قلم سے محفوظ رہا ہے۔ حضور غوث اعظم، حضرت داتا گنج بخش، حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت مولانا روم جیسی مقدس و معتبر اور عظیم و جلیل شخصیات جن پر اسلام، انسانیت، جہاد اور مہر و مروت کو ناز ہے، بھی ان کے حملوں سے محفوظ نہیں رہے تو دوسروں کی کیا گنجائش نکل سکتی تھی۔ اب تک ایک گروہ انہیں غوث اعظم، داتا گنج بخش اور غریب نواز نہیں کہتا تھا۔ تاہم انہیں حضرت شیخ عبدالقادر، علی ہجویری اور حضرت معین الدین کہہ کر رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے اور ان کی ولایت کا اقرار بھی کرتے تھے مگر دور انحطاط کے ان کشمیری مجاہدوں نے انہیں اسی طرح ------- سمجھا جس طرح اسی (۸۰) فیصد فرزندان اسلام کو کافر و مشرک سمجھتے ہیں۔ اگر یہ لوگ جعلی اور خلاف شرع پیروں کے خلاف اور بعض آستانوں پر جاہل لوگ خلاف شرع حرکات کرتے ہیں۔ ان کے خلاف صف آراء ہوتے تو ہم بھی ان کا ساتھ دیتے مگر افسوس انہوں نے اللہ کے ان پاک بندوں پر ناپاک حملے شروع کر دیئے جو اپنے اپنے دور میں ملت اسلامیہ بلکہ انسانیت کے عظیم ترین محسن اور حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے سچے وارث تھے۔ انہیں چاہئے تو یہ تھا کہ اکابر اسلام کو قرآن و سنت کی سمجھ کے سلسلے میں اپنا معیار بناتے اور اپنی "انانیت" و نفسانیت کا ان کے اخلاص کی روشنی میں جائزہ لیتے۔ مگر برا ہو غرور و تکبر کا جس نے انہیں ہمچو ما دیگرے نیست کے زعم میں گرفتار کر دیا اور اب یہ خود ہی پوری ملت اسلامیہ کیلئے معیار بن گئے ہیں۔ سلف صالحین، ائمہ کرام، اولیائے عظام علیہم الرضوان سے انہیں خدا واسطے کا بیر ہے۔ ان کی تحقیقات کی ان کے نزدیک کوئی وقعت نہیں، ہاں وقعت ہے تو اس خیال کی، اس وہم کی، اس ڈھکوسلے کی، جو ان کے نہاں خانہ دماغ میں پرورش پائے۔ ساری امت کے اکابر و اصاغر ایک طرف اور چھوٹا سا گروہ ایک طرف۔ انہیں اصرار ہے کہ ساری امت مشرک ہے سوا ان کے چند ہم خیال کند ذہنوں کے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارا سچا، الصادق اور الامین نبی ﷺ ہمیں صاف صاف فرما چکا ہے۔ میری امت گمراہی پر اکٹھی نہیں (لا تجتمع امتی علی الضلالة) مجھے تمہارے بارے میں یہ خوف نہیں کہ مشرک ہو جاؤ گے (واللہ ما اخاف علیکم ان تشرکوا) ہمارا رحمۃ للعالمین آقا ﷺ ہمیں حکم دے چکا کہ اتبعوا السواد الاعظم (یعنی بڑے گروہ کی اتباع کرو) (ابن ماجہ)

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا تلقین غزالی نہ رہی
مسجد مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

Mutafakir-e-Islam Research Center Islamabad

اس میں کوئی شک نہیں یہ چھوٹا سا گروہ منظم ہے مگر ان کے منظم ہونے کا اسلام کو کیا فائدہ؟ ہاں فائدہ تو اس صورت میں ہوتا جب یہ بڑے گروہ میں شامل ہو کر ساری امت کو یا کم از کم سواد اعظم کو منظم و متحد کرنے کی کوشش کرتے۔ امت کا اکثر حصہ بھی منظم و متحد ہو جاتا تو کفر و شرک کے فرزندوں کو اسلام کے خلاف مکروہ سازشوں کی جرأت نہ ہوتی۔

دیانتداری سے سوچیے مبلغین دین حق کے خلاف پروپیگنڈا کرنے سے دین حق کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں جن لوگوں کے دم قدم سے لاکھوں ہزاروں لوگ شرک و کفر سے پاک ہو گئے، ان کے خلاف ہرزہ سرائی اسلامی کاز کو کمزور کرنے کے مترادف نہیں تو کیا ہے۔ ہم اگر اس قسم کے مجاہدوں کے خلاف جو سراپا انتشار ہیں کوئی بات کرتے ہیں تو الزام لگتا ہے۔ کہ یہ جہاد کے خلاف ہیں۔ حالانکہ ہم جہاد کے منکرین پر لعنت بھیجتے ہیں اور اسلام کے دفاع و بقا کیلئے جہاد کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ہمارے ہی بزرگ تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی لڑی تھی اور ہمارے ہی پیشوا تھے جو تحریک پاکستان اور تحریک آزادی کشمیر میں پیش پیش رہے ہیں۔ لیکن اگر ان جیالوں کے معیار کے مطابق کوئی شخص کسی مجاہد کے غلط رویے پر تنقید کر کے ان کے نزدیک دشمن جہاد ہے تو اسلام کے جفاکش، بلند نظر، پیکر اخلاص مبلغین کے خلاف بولنے والا کیوں نہ دشمن اسلام سمجھا جائے۔ بالخصوص وہ شخص جو اس وعید ربانی کا مستحق ہے کہ

"من عادی لی ولیا فقد اذنته بالحرب"

ترجمہ: جو میرے کسی بھی ولی کا دشمن ہوا، سو میں نے بطلب اس کیخلاف اعلان جنگ کر دیا۔ (بخاری شریف)

شاید کسی کے ذہن میں یہ وہم پیدا ہو کہ ان جیالوں کا رخ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام کی طرف ہے۔ ان کا جہاد قلم و زبان انہیں اللہ والوں سے ہے۔ خدا اور رسول ﷺ سے نہیں۔ مگر اوپر کی حدیث شریف پر غور کیجئے۔ ان کی جنگ خدا سے ہے۔ اگر مزید اطمینان کی ضرورت ہو تو ان کے عقیدہ توحید کی تفصیلات سامنے رکھئے۔ قرآن پاک کی آیات متشابہات سے یہ عقیدہ لیتے ہیں اور خداوند کریم جل مجدہ جو زمان و مکان تک سے پاک ہے۔ اسے مجسم مانتے ہیں۔ جو شخص خدا کے خلاف اعلان جنگ کرے اس کی عقل کیونکر ٹھکانے رہ سکتی ہے۔ خدا کو منظور ہوا تو آئندہ کسی وقت تفصیل سے اس موضوع پر روشنی ڈالی جائے گی کہ مسلمانوں کے خدا اور مسلمانوں کو مشرک کہنے والوں کے خدا کی صفات میں کتنا فرق ہے۔ اگر ان کے قرآنی ترجموں سے ان کی "توحید" کا سراغ لگایا جائے تو "معاذ اللہ" جو جو عیب انہوں نے رب کریم کی ذات پاک کیلئے گھڑے ہیں۔ ان جہلا کی حقیقت کو سمجھنے کیلئے وہی کافی ہیں۔ خدا اور قرآن حکیم ہی کے بارے میں نہیں، حضور ﷺ کی حدیث پاک کے بارے میں بھی ان کا رویہ خاصا معاندانہ و باغیانہ ہے۔ جو حدیث ان کے مزاج کے مطابق نہیں ہوتی۔ اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ حضور ﷺ کے فضائل کی کوئی حدیث ان کے سامنے پڑھ دیجئے، فوراً کہہ دیں گے، "یہ ضعیف ہے" حالانکہ یہ نہیں جانتے صحیح و ضعیف کہنے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ حضور پر نور ﷺ نے ایسا فرمایا نہیں بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ حدیث کے راوی زیادہ ہیں تو صحیح اور کم ہیں تو ضعیف۔ ارشاد تو بہر حال حضور پر نور ﷺ کا ہے۔ لہذا اس کے انکار کا وبال بھی کم نہیں۔ روز مرہ زندگی میں آپ دیکھتے ہیں باپ اپنے بیٹے کے پاس کسی قاصد کے ذریعے پیغام بھیجے تو خوش اطوار و مودب بیٹا اسے قبول کرے گا یا یہ خیال کرے گا کہ ایک ہی راوی ہے، اسے پس پشت ڈال دے گا۔ اگر قاصد نے دانستہ یا نادانستہ غلط پیغام دیا اور بیٹا اس پہ عمل کرے تو کیا باپ کی نظر میں وہ معذور ہو گا یا نہیں۔ اسی لئے محدثین کرام نے ضعیف حدیث کی اہمیت کا انکار کبھی نہیں کیا۔ (کیونکہ حدیث تو حضور پر نور ﷺ کا ارشاد ہے، وہ تو یقیناً قوی ہے، ضعیف ہے تو راوی کی سند۔ ہمارے ان "مہربانوں" کا رویہ یہ ہے کہ وہ ایسی احادیث مبارکہ جو ان کے خلاف طبع ہیں، ضعیف کہتے ہیں اور ضعیف ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ یعنی اہل حدیث کہلوا کر بھی احادیث کا نہایت قلیل سا حصہ انہیں تسلیم ہے۔ باقی سب سے انکار۔

’اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذ شُذ فی النار‘

مختصر یہ کہ جس دور میں ملت میں اتحاد و اتفاق کی سب سے زیادہ ضرورت ہے اور اسلام کی بقا و استحکام کا اس پر بہت زیادہ انحصار ہے، بڑی بے رحمی اور دریدہ دہنی سے انتشار پھیلایا جا رہا ہے اور انتشار پھیلانے والوں کا نشانہ پاکانِ امت ہی نہیں، والیِ امت ﷺ بھی ہے ضرورت ہے جو اسلام چودہ سو سال پہلے متعارف ہوا تھا، اس کی حفاظت کی جائے اور اس نئے "اسلام" کی جو ڈیڑھ دو صدیوں سے میدان میں در آیا ہے حقیقت واضح کی جائے۔ اگرچہ علمائے اہل سنت نے اس معرکہ ء حق و باطل میں بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں تاہم اب ضرورت ہے کہ نئے سرے سے ایک ایک دلیل اور غلط فہمی کا پوسٹ مارٹم کیا جائے۔ مجلہ "الحقیقہ" کی اشاعت کا یہی پس منظر اور سبب ہے۔

ہاں ہاں ہمیں اپنی بے سروسامانی اور راستے کی دشواریوں کا پورا پورا احساس ہے مگر خدا، رسول خدا اور دیگر بندگان خدا ﷺ کی گستاخیاں بھی برداشت نہیں ہوتیں۔ لہذا عقل مصلحت میں نہیں، عشق خیبر شکن کو اپنا قافلہ سالار بنا کر ہم نے بھی جادہ پیمائی شروع کر دی ہے، بالیقیں ہم بے سروسامان ہیں۔ مگر ہمارا اللہ قادرِ مطلق ہے (جل وعلا) ہمارا نبی رحمۃ للعلمین ہے (ﷺ) ہمارے سروں پر غوث اعظم، داتا گنج بخش، خواجہ غریب نواز، سیدنا مجدد الف ثانی، حضور شاہ لاثانی اور سرکار نقش لاثانی علیہم الرضوان کا دامانِ کرم ہے۔

انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ و ھم راکعون (المائدہ)

ترجمہ: "تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے تھے"۔

ہم ان سب مددگاروں کی مدد کے محتاج ہیں اور اطمینان ہے کہ یہ مدد ضرور شامل ہو گی۔

مختصر یہ کہ اسلام خارجی اور داخلی دشمنوں میں بری طرح گھرا ہوا ہے۔ خارجی دشمن اس کا نام تک برداشت نہیں کر رہے اور اس کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہر چیز کو (معاذ اللہ) مٹا دینا چاہتے ہیں۔ وہ اس کے عقائد، اس کے شعائر اور تہذیب و تمدن تک کو برداشت نہیں کرتے۔ داخلی دشمن اسلام کا چہرہ اور خدوخال مسخ کر کے اپنے وہم و گمان کو اسلام کا نام دے رہے ہیں اور اسی اپنے نوزائیدہ مذہب کی آڑ میں اختلاف رکھنے والے مسلمانوں کو کافر و مشرک قرار دے رہے ہیں۔ ہر مخلص مسلمان کو چاہئے کہ اس صورت حال کو اچھی طرح سمجھ کر اللہ کے نازل کردہ اور حضور ﷺ کے بخشے ہوئے اسلام کی حفاظت کیلئے جو تدبیر کر سکتا ہے کرے۔ موجودہ کتابچہ "الحقیقہ" کا یہی مقصد ہے یہ اسلام کی اصل حقیقت کو منظر عام پر لاتا رہے گا اور حتی المقدر داخلی و خارجی دشمنوں سے اسے محفوظ رکھنے کیلئے وقف رہے گا۔

تین ولی، ایک عرس

الحمد للہ "الحقیقہ" کا پہلا مجلہ اس موقع پر شائع ہو رہا ہے جب علی پور سیداں شریف (ضلع نارووال) کی مقدس سرزمین پر اپنے اپنے دور کے تین غوثوں کا سالانہ عرس مقدس جسے بجا طور پر عرس لاثانی بھی کہا جا سکتا ہے۔ یکم، دو اکتوبر کو انعقاد پذیر ہے، ان تین اغیاث سے ہماری مراد ہے۔

۱۔ قطب الکاملین، غوث الواصلین، محبوب سبحانی، قندیل نورانی، غواص بحر معانی اعلیحضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب لاثانی قدس سرہ النورانی۔

۲۔ زبدۃ العارفین، قدوۃ السالکین، سلطان السلاطین، قیوم زمانی اعلیحضرت پیر سید علی حسین شاہ صاحب نقش لاثانی قدس سرہ النورانی۔

۳۔ عارف حقانی، عالم ربانی، قیوم دورانی، مخدوم ملت اعلیحضرت پیر سید عابد حسین شاہ صاحب نقشہ نقش لاثانی قدس سرہ النورانی۔

کیا بات آئی ان تینوں کی، یہ تینوں نور کے پیکر ہیں
لاثانی، نقش لاثانی اور نقشہ نقش لاثانی رضی اللہ عنہم

حضور شہنشاہ لاثانی ۱۸۶۰ء میں بزم دنیا میں تشریف لائے اور ۱۹۳۹ء میں یہاں سے عالم برزخ کی طرف کوچ کر گئے۔ آپ نے خواجۂ خواجگان، آفتاب علم و عرفان، قاسم اخلاص و احسان اعلیحضرت عظیم البرکت باواجی فقیر محمد صاحب چوراہی رضی اللہ عنہ کے دست حق پر بیعت ہو کر ارادت کا حق ادا کیا اور پھر عمر بھر بلکہ اب تک فیضان چوراہی کے ابر بہار سے دلوں کی مردہ کھیتیاں زندہ فرما رہے ہیں۔ لقب "لاثانی" آپ کو اپنے مرشد والا شان کی زبان حق ترجمان سے ملا تھا اور یقیناً اپنے دور میں آپ ہر طرح سے لاثانی ہی تھے، عشق خدا اور رسول ﷺ میں لاثانی، اتباع کتاب و سنت میں لاثانی، دکھیوں، فقیروں اور مسکینوں کی حمایت و اعانت میں لاثانی، فکر و عمل اور زہد و تقویٰ میں لاثانی، تبلیغ و تذکیر و تزکیہ میں لاثانی مشکل کشائی اور حاجت روائی میں لاثانی۔ کیوں نہ ہوتا۔ حضرت مرتضیٰ، مشکل کشا، شیر خدا، کے لخت جگر تھے۔

ہے یہ مشکل کشا کا نور نظر   میرے مشکل کشا کا کیا کہنا!
واقعی ہر جہت ہے لاثانی   نائب مصطفےٰ کا کیا کہنا
ہر عطا ہے عطائے لامحدود   ان کے دست عطا کا کیا کہنا

ان کی دنیا میں آمد اور سفر واپسی پر غور کیجئے، تقریباً یہی دور تھا تن کے گورے من کے کالے انگریزوں کی حکومت کا۔ یوں لگتا ہے جیسے حضور شہنشاہ لاثانی قدس سرہ کو قدرت نے ان صوفیہ پاک باطن کے قافلے کا سرخیل بنایا تھا، جنہوں نے تصرفات و کرامات اور دعا و توجہ سے ہزاروں لاکھوں کے ایمان غیر ملکی آقاؤں کی دست برد سے محفوظ رکھے۔ اور جن کی مقبول بارگاہ دعاؤں کے نتیجے میں قوم کو اقبال اور قائد اعظم (علیہما الرحمہ) جیسے رہنما ملے اور پاکستان معرض وجود میں آگیا۔

حضور لاثانی کے وصال فرمانے کے بعد ان کے نبیرۂ اقدس اعلیحضرت حضور قبلہ عالم پیر سید علی حسین شاہ صاحب کا نقش لاثانی قدس سرہ جو ان کی توجہات سے مالا مال اور ان کی تربیت کا شہکار تھے سجادہ نشین ہوئے (کیونکہ حضور شہنشاہ لاثانی کے تینوں صاحبزادے آپ کی حیات ظاہری میں ہی پردہ فرما چکے تھے۔) دنیا میں آپ کی تشریف فرمائی ۱۹۱۷ء تا ۱۹۸۷ء (۱۳۳۵ھ تا ۱۴۰۷ھ) رہی۔ ۱۹۳۹ء میں بائیس سال کی عمر میں مسند لاثانی پر فائز ہوئے اور پھر تقریباً ستر سال کی عمر تک اس پہ جلوہ افروز رہے۔ حکیم الامت حضرت اقبال علیہ الرحمہ کا یہ مصرع سامنے آجاتا ہے۔

ع   نہیں ہے بندۂ حر کے لئے جہاں میں فراغ

لاکھوں مرید، بیسیوں مساجد اور متعدد مدرسے آپ کی یادگار ہیں۔ آپ فقر لاثانی یعنی فقر اسلامی کا پیکر جمیل تھے۔ دنیوی حرص و آز، غرور و تکبر، بغض و حسد سے یہی نہیں کہ خود پاک تھے، بلکہ جس پر بھی توجہ ڈالتے تھے، اسے بھی پاک کر کے عشق خدا جل علا اور رسول ﷺ کے سرشار کر دیتے تھے۔ آپ طبعی طور پر سیاست سے کوسوں دور تھے مگر جب کبھی ملک و ملت کے مفادات کا تقاضا ہوا۔ آپ نے اس میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ مثلاً سجادہ نشینی کے ابتدائی دنوں میں تحریک پاکستان زوروں پر تھی اور پھر اسی دور میں انتخابات بھی ہوئے۔ آپ نے مسلم لیگ کو ووٹ دلانے کیلئے دن رات ایک کر دیے۔ آپ کے علاقے میں میاں ممتاز احمد خان دولتانہ مرحوم مسلم لیگ کی طرف سے امیدوار تھے۔ چنانچہ ان کی کامیابی میں حضرت کی مساعی کا خاص دخل تھا۔ علاقہ شکر گڑھ میں مسلم لیگ کے امیدوار کی کامیابی بھی خصوصی طور پر آپ کے ناخن عقدہ کشا کی مرہون منت تھی۔ قیام پاکستان کے بعد مہاجرین کی آبادکاری اور جموں و کشمیر کے علاقے سے مسلمانوں کو حفاظت پاکستان لانے میں بھی حضور نقش لاثانی نے خوب سرگرمیاں دکھائیں۔ یونہی ۱۹۳۹ء کے لگ بھگ پاکستان میں 'سرخوں' نے اسلام کے مقابلے میں 'سوشلزم' کا نعرہ لگایا تو علی پور شریف کا شہنشاہ پورے جاہ و جلال کے ساتھ اس کے مقابلے میں ڈٹ گیا اور اپنے متوسلین کو ساتھ لیکر اسلام کے دفاع کیلئے میدان میں اتر آیا۔ حق یہ ہے کہ ہزاروں لوگوں کا ایمان آپ کی برکت سے ہی محفوظ رہا۔

"من عادلی ولیا فقد اذنتہ، بالحرب". جو میرے ولی سے دشمنی رکھے میں اس سے اعلان جنگ کرتا ہوں۔ (بخاری شریف)

آپ کے بے مثال دینی وروحانی کارناموں کی بنا پر اہل نظر نے آپ کو نقش لاثانی کا لقب دیا۔ آپ کا وصال یکم ذوالحج ۱۴۰۷ھ (۲۷ جولائی ۱۹۸۷ء) کو ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند اکبر عارف حقانی حضرت پیر سید عابد حسین شاہ صاحب سجادہ نشین ہوئے۔ آپ چونکہ صورت وسیرت میں ہو بہو اپنے والد ماجد حضور نقش لاثانی سے ملتے تھے، لہذا نقشہ نقش لاثانی کہلائے، آپ کی ذات میں علم ظاہری وعلم باطن اکٹھے ہو گئے تھے۔ لہذا اپنے والد، مرشد کی خدمت اور علم وعمل کی بلندیوں کی وجہ سے عظیم روحانی مقام پر فائز ہوئے۔ آپ اپنے دونوں مورثوں کی طرح صاحب کرامات وتصرفات تھے۔

آپ نے ابھی چند ماہ قبل ۲۱ نومبر ۱۹۹۹ء کو طویل علالت کے بعد وصال فرمایا اناللہ وانا الیہ راجعون، آپ کے اور آپ کے بعض اشارات بلکہ تصریحات کی بنا پر آپ کے فرزند اکبر، مخزن اسرار اعلیحضرت پیر سید ظفر اقبال شاہ صاحب مدظلہ العالی سجادہ نشین ہوئے۔ موجودہ عرس آپ ہی کے زیر اہتمام ہو رہا ہے۔

عرس لاثانی اس لئے بھی لاثانی ہے کہ تین لاثانی شہسواران طریقت کا عرس ہے اور اس لئے بھی کہ اس میں شرکاء کی تعداد بھی بے مثال ہوتی ہے۔ غالباً ۱۹۶۳ء میں شہباز خطابت خطیب اسلام حضرت صاحبزادہ ابوالکلام پیر سید فیض الحسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی عرس کے موقع پر فرمایا کہ شمال مشرقی پنجاب کا یہ سب سے بڑا عرس ہے۔ ہر سال پہلے سے زیادہ ہجوم ہوتا ہے اسلئے تقریباً چالیس سال کے اس عرصے میں یہ عرس کئی گنا بڑا ہو گیا ہے۔ زبردست ہجوم خلائق کے باوجود نظم ونسق بھی لاثانی ہوتا ہے اور بحمدہ تعالیٰ سجادہ نشین حضرات کی طرف سے ہمیشہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ اس کا کوئی پہلو بھی شریعت کے خلاف نہ ہو۔

ہماری دعا ہے کہ یہ کیف بار نوربیز عرس لاثانی اپنی برکتوں کے ساتھ بڑھتا ہی جائے اور اس کے مہتمم حضرت پیر سید ظفر اقبال شاہ صاحب مدظلہ العالی اپنے آباؤاجداد کی طرح سائلوں کی جھولیاں بھرتے ہی رہیں۔ آمین

حرف تحسین

[redacted]

مفکر اسلام پروفیسر محمد حسین آسی
کی سرپرستی میں مجاہد ملت شجاعت
علی مجاہد کی ادارت میں نکلنے والا
مجلۃ الحقیقہ وقت کی اہم پکار ہے۔
خدا مبارک کرے۔

ڈاکٹر محمد اعظم، حافظ ظفر ندیم،
محمد عارف سیالکوٹ

حرف تحسین

[redacted]

ہوتا ہے جادہ پیما
پھر کارواں ہمارا

مجلۃ الحقیقہ

ہمارے دلوں کی آواز ہے

ڈاکٹر محمد قمر تابش سیالکوٹ

حرف تحسین

[redacted]

ہم شیران اسلام (پاکستان) تحصیل
شکرگڑھ کو عظیم علمی و فکری
مجلۃ الحقیقہ کی اشاعت پر تہہ دل
سے مبارک باد پیش کرتے ہیں

نقش لاثانی الیکٹرانکس نورکوٹ روڈ شکرگڑھ

درس قرآن

پروفیسر
محمد حسین آسی

تعوذ کے تفسیری نکات

اعوذ بالله من الشيطن الرجيم

"میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کی شیطان مردود سے"

لفظی تشریحات:

اعوذ: مصدر عوذ سے مضارع کا صیغہ واحد متکلم میں پناہ مانگتا ہوں۔ التجا کرتا ہوں۔

باللہ: اللہ کی۔ اللہ سب جہانوں کے خالق و معبود کا اسم ذات ہے (اس کی لغوی تشریح بسم اللہ شریف کے تحت آئیگی)

من: سے (حرف جار ہے)

الشیطن: شطن (دور ہونا) سے نکلا ہے یا شیط (ہلاک ہونا، باطل ہونا، غصے میں جلنا) سے اس لیے اس کے معانی ہیں۔ دور ہونے والا جو (غرور و تکبر کی وجہ سے) ہلاک ہوا اور اس کے تمام اعمال باطل ہو گئے۔ جو غصے میں جلا اور جل رہا ہے۔ یہ ایک جن تھا جو کثرت زہد و عبادت کی بناء پر فرشتوں کا استاد بن گیا تھا اس کا اصل نام عزازیل (عزت والا) تھا خلافت کا امیدوار تھا۔ جب خداوند کریم نے حضرت آدم علیٰ سیدنا وعلیہ السلام کو خلیفہ بنا کر فرشتوں کو انہیں سجدہ تعظیم کرنے کا حکم دیا تو اس نے غرور و تکبر، حسد و بغض و عناد کی بناء پر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اس پر اس کی شکل مسخ کر دی گئی اور بجائے عزازیل کے شیطان اور ابلیس بن گیا۔ اب اس کے یہی دو نام زیادہ معروف ہیں۔ شیطان کا ترجمہ اوپر آ گیا۔ ابلیس بلس سے نکلا ہے اس کے معنی ناامید اور مکار، کیونکہ رب کی رحمت سے مایوس ہو چکا ہے۔ اور طرح طرح کے مکر و فریب سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

الرجیم: رجم سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں نکالنا، پھینک کر مارنا، لعنت کرنا۔ اب رجیم کے معانی ہوئے، رب کی بارگاہ سے نکالا ہوا ملعون و مردود، جسے پتھر مارے جائیں جب یہ آسمان کی طرف جاتا ہے تو فرشتے اسے مارنے کے لئے بھاگتے ہیں۔

شیطان: رجیم سے پہلے ال لگا کر نکرہ سے معرفہ بنا دیا گیا ہے۔

فضائل:

اسے استعاذہ کہتے ہیں قرآن حکیم نے خود اس کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ "**فاذا قرات القرآن فاستعذ بالله من الشيطن الرجيم**"۔

ترجمہ: پس جب تو قرآن پڑھنے لگے تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ مانگ لے۔

حدیث پاک میں ہے کہ ایک شخص پر غصہ بہت غالب تھا اور منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اگر یہ شخص اعوذ باللہ پڑھ لے تو اس کی یہ حالت دور ہو جائے معلوم ہوا اعوذ باللہ پڑھنے سے غصہ دور ہو جاتا ہے۔ جو ہزارہا گناہوں کی جڑ ہے۔ بستان التفاسیر میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص روزانہ دس بار اعوذ باللہ پڑھ لیا کرے، حق تعالے اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیتا ہے جو اسے شیطان سے بچاتا ہے، تفسیر روح البیان شریف میں اسی اعوذ باللہ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جو شخص حضور قلب کے ساتھ اعوذ باللہ پڑھے تو رب تعالےٰ اس کے اور شیطان کے درمیان تین سو پردے حائل کر دیتا ہے۔

تفسیری نکات:

۱۔ خدا کے فضل کے بغیر چارہ نہیں،

خداوند کریم کی پناہ طلب کرنا اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ انسان اپنی قابلیت، محنت یا کسی بھی وصف پر اعتماد نہ کر بیٹھے۔ بلکہ ہمیشہ اللہ کریم کی رحمت پر نظر رکھے۔ دین کی جو نعمت ملتی ہے۔ اسی کے فضل و کرم سے ملتی ہے۔ کارساز حقیقی اسی کی ذات پاک ہے اور اس کی عنایت کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ اپنے علم، عقل، دولت، قوت زہد و عبادت پر بھروسہ یا فخر نہ کرے، بلکہ انہیں اللہ کی عطا سمجھے، اسی حقیقت کو پیش نظر رکھنے کے لئے مختلف حالات میں حسب موقع الحمد للہ، سبحان اللہ، ماشاء اللہ، انشاء اللہ، بارک اللہ، معاذ اللہ اور انا للہ وانا الیہ راجعون وغیرہ کہنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ مخلوق جب اپنے وجود اور نمود میں اپنے خالق کی محتاج ہے اور اپنی موت و حیات کے بارے میں بے بس ہے تو یہ بات اسے ہرگز شایاں نہیں کہ اللہ کے مقابلے میں کسی وصف میں خود کو بھی کچھ سمجھے، ایمان ہو یا عبادت سب کچھ اسی کی توفیق پر منحصر ہے۔ قرآن پاک میں **اهدنا الصراط المستقيم** (اے رب، چلا ہمیں راہ راست پر) کی دعا اسی بناء پر سکھائی گئی ہے۔ سورۃ الحجرات میں ہے۔

"**يمنون عليك ان اسلموا قل لا تمنوا على اسلامكم بل الله يمن عليكم ان هداكم لايمان ان كنتم صدقين**"۔

ترجمہ: (اے محبوب) وہ تم پر احسان جتاتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے، تم فرماؤ اپنے اسلام کا احسان مجھ پر نہ رکھو، بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں اسلام کی ہدایت کی، اگر تم سچے ہو۔

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

اگر رحمت حق نہ یاری کند
کجا بندہ پرہیز گاری کند

یعنی اگر خدا کی رحمت شامل حال نہ ہو تو بندہ پرہیزگار کیسے ہو سکتا ہے۔

اپنے کسی وصف پر اعتماد کر کے خدا کے فضل کی ضرورت محسوس نہ کرنا۔ گمراہی کی بنیاد اور تباہی کا اصل سبب ہے۔

تکبر عزازیل را خوار کرد
بزندان لعنت گرفتار کرد

ترجمہ: عزازیل (عزت والا) ذلیل اور ملعون ہوا تو تکبر کی بنا پر (جیسا کہ اوپر آیا شیطان کا پہلا نام عزازیل تھا)۔

صوفیائے کرام کے نزدیک اپنے نفس پر اعتماد کرنا دھوکے میں مبتلا ہونا ہے وہ فرماتے ہیں، سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے، مگر شیطان کو نفس نے گمراہ کیا۔ (تفسیر نعیمی)

نہنگ و اژدہا و شیر نر مارا تو کیا مارا
بڑے موذی مارا نفس امارہ اگر مارا

اسی نفس کے تزکیے کے لئے بیعت مرشد کامل ضروری ہے، مولانا روم علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

ہیچ نکشد نفس را جز ظل پیر
دامن آں نفس کش محکم بگیر

ترجمہ: شیخ کامل کے سائے کے بغیر کوئی چیز بھی نفس (اور نفسیات) کو مار نہیں سکتی اس لیے (اے انسان) اس نفس کو مارنے والے (شیخ کامل) کا دامن مضبوطی سے تھام لے۔

مرشد کامل مرید صادق کی تربیت ہی اس انداز سے کرتا ہے کہ غرور تکبر کا نام و نشان ہی باقی نہیں رہتا۔

محبوبانِ خدا کی بے ادبی شیطان بنا دیتی ہے

عزازیل شیطان بنا تو کب؟ جب اس نے تعظیم آدم علیہ السلام سے انکار کیا، اور پھر وہ اللہ کی رحمت سے ایسا دور ہوا کہ اس کے لاکھوں کروڑوں سجدے بھی اسے قریب نہ کر سکے

گیا ابلیس مارا ایک سجدے کے نہ کرنے سے
اگر لاکھوں برس سجدے میں سر مارا تو کیا مارا

مقام غور ہے، آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیم سے انکار پر وہ تمام سجدہ ہائے عبادت ضائع کر دیئے جو اس نے خداوند ذوالجلال کی بارگاہ میں پیش کئے تھے۔

غور فرمائیے، جب آدم علیہ السلام کو سجدہ تعظیم نہ کرنے والا "شیطن" اور "ابلیس" ہو جاتا ہے۔ تو وہ بدنصیب جو سید الانبیاء حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کی تعظیم کا منکر ہے، کیا ہونا چاہئیے؟ اگر لاکھوں سال کے سجدے اس شیطن کے کام نہیں آ سکے تو چند ٹوٹی پھوٹی ریا و تصنع سے بھری ہوئی نمازیں اس بڑے شیطان کو مردود ہونے سے کیسے بچا سکتی ہیں۔ یاد رکھیں۔ نیکی یا عبادت اسی وقت نیکی یا عبادت ہے جب اس کی بنیاد اطاعت و عشق رسول ﷺ پر ہو ورنہ نہیں۔ اگر محبوب خدا ﷺ کا ادب نہیں۔ بلکہ یہ بے ادبی صرف ایک بار صادر ہو تو بھی اس گروہ کو جو امت کا بہترین گروہ ہے۔ یعنی صحابہ کرام، ان کو ضبطی اعمال کا الٹی میٹم دیدیا جاتا ہے۔

"یا یھا اللذین امنو ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھر ولہ بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وا نتم لا تشعرون"۔

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

عبادت اخلاص اور قلبی تقویٰ سے قبول ہوتی ہے اور اس کا معیار ادب رسول ﷺ ہے۔

قرآن پاک فرماتا ہے:۔

"ان اللذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولئک اللذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوی لھم مغفرۃ و اجر عظیم"۔ (الحجرات)

ترجمہ: بیشک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس، وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا ہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔ (کنز الایمان)

بلکہ شعائر خداوندی کا ادب بھی اسی تقویٰ کی علامت ہے۔ **"و من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب"۔ (الحج)**

ترجمہ: اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔

الغرض شیطان بے ادبی کی بنا پر تباہ ہوا اور جو بے ادب ہو گا۔ تباہ ہو جائے گا۔ فرشتوں اور شیطانوں میں یہی فرق ہے۔ مولائے روم کے قول

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضل رب
از ادب معصوم و پاک آمد ملک
از ادب پر نور گشت است ایں فلک

ترجمہ: (۱) خداوند کریم سے ہم ادب کی توفیق مانگتے ہیں۔ بے ادب تو خدا کے فضل سے محروم ہے۔ (۲) ادب کی وجہ سے آسمان کی رونقیں ہیں ادب کی بناء پر فرشتے معصوم اور پاک ہیں۔

۳۔ شیطان کا فکر و عمل

شیطان سے پناہ مانگنے کا مطلب اس کے طرز فکر اور طرز عمل سے پناہ مانگنا ہے۔ شیطان کا عمل تو یہی ہے کہ وہ محبوبانِ خدا کا بے ادب ہے اور دوسروں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر انہیں بے

ادب ہوتا ہے۔ اس کی زندگی کا مقصد ہی بھٹکانا اور بھڑکانا ہے۔ اس نے خود کہا چنانچہ قرآن پاک میں ہے۔

"قال فبعزتک لاغوینهم اجمعین۔ الا عبادک منهم المخلصین"۔ ترجمہ: بولا تیری عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا سوا ان کے جو ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں۔

شیطان دوسروں کو کیسے بھٹکاتا ہے؟ یہ ایک لمبی بحث ہے مختصراً اتنا سمجھ لیجئے کہ جس کو کس ذوق کا حامل دیکھتا ہے اسی کے حوالے سے بھٹکانے کی کوشش کرتا ہے۔ کسی کو خلاف شرع پیر بن کر، کسی کو منہ پھٹ طالب بن کر وغیرہ وغیرہ جہاں تک اس کے فکر کا تعلق ہے۔ اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک اس کا عقیدہ ہے اور ایک بہانہ اس کے عقیدے کا مرکزی نقطہ انبیائے کرام علیہم السلام کی خاکی بشریت ہے یعنی جس طرح عام انسان مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ بالکل یہی حال محبوبان خدا کا ہے۔ انہیں بشر ہونے میں دوسروں پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اسی خاکی بشریت کے نظریے کی بنا پر اس نے اپنے آپ کو معاذاللہ حضرت آدم علیہا السلام سے افضل جانا اور یہ "خاکی" نظریہ اس پر اس حد تک چھا گیا کہ اسے ان کے تمام فضائل و کمالات بھول گئے، جو شخص مقام نبوت کو اسی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ حضرت مولانائے روم اس کو یوں مخاطب فرماتے ہیں۔

شاد را منگر تو اے نادان بطین
کیں نظر کو راست شیطان لعین
گر نہ فرزند بلیسی اے عنید
پس تیرا میراث آں سگ چوں رسید

ترجمہ: اے جاہل! حضور ﷺ کو محض خاکی نہ دیکھ کیونکہ یہ شیطان لعین کا نقطہ نظر ہے، اے بغض و عناد کے مارے ہوئے (بے وقوف) اگر تو شیطان کا فرزند نہیں تو بتا تجھے اس کتے کی یہ وراثت کیسے مل گئی۔

جہاں تک اس کے بہانے کا تعلق ہے وہ اپنا نقطہ نظر (اور عقیدہ انکار تعظیم) توحید کے بہانے پھیلاتا ہے۔ چنانچہ تذکرہ الاولیاء کی روایت کے مطابق سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ نے ایک شیطان سے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے کہا 'توحید' (اور وضاحت کی کہ خدا کے سوا کسی اور سجدہ کو کرنا کہاں جائز ہے) حافظ مظہر الدین علیہ الرحمہ نے اسی لیے فرمایا ہے۔

ایسی توحید تو شیطان بنا دیتی ہے
دیکھ سرکار کا انکار نہ ہونے پائے

یہاں تفسیر مدارک وغیرہ کا بیان کردہ وہ واقعہ بھی سامنے رکھئے جس میں کسی صحابی رسول نے سب سے بڑے منافق عبداللہ بن ابی کو فرمایا کہ چل تجھے رسول ﷺ کی بارگاہ میں لے جا کر معافی لے دیں۔ تو اس نے جواب دیا۔

"قلتمونی صل فصلیت قلتمولی صم فصمت فما بقی لی الا ان اسجد لمحمد"۔

ترجمہ: مسلمانو! تم نے مجھے کہا، نماز پڑھ، تو میں نے نماز پڑھ لی، تم نے مجھے کہا 'روزہ رکھ' تو میں نے روزہ رکھ لیا، سو اب میرے لیے اس کے سوا کیا رہ گیا ہے کہ (تمہاری طرح) محمد (ﷺ) کو سجدہ کروں۔

یعنی اس کے نزدیک صحابہ کرام جس حد تک تعظیم رسول کرتے تھے۔ منافق کے نزدیک یہ گویا رسول کو خدا ٹھہرا لینا تھا جسے وہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

◇★◇★

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

حضور پر نور سید عالم ﷺ کے دس خصائص اور ان کے فوائد

✪ **ما وقع ظله علی الارض۔**
آپ کا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

✪ **لم یجلس الذباب علیه قط**
آپ پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی۔

✪ **ما ظهر بوله علی الارض**
آپ کا بول مبارک کبھی زمین پر ظاہر نہیں ہوا۔

✪ **لم یحتلم قط**
آپ کو کبھی احتلام نہیں ہوا

✪ **لم یتاوب قط**
آپ کو کبھی جمائی نہیں آئی

✪ **لم یهذب دابة رکبها قط**
آپ جس جانور پر سوار ہوئے وہ کبھی نہیں بھاگا

✪ **تنام عینه ولا ینام قلبه قط**
آپ کی آنکھیں سوتی ہیں دل کبھی نہیں سوتا۔

✪ **ولد مختوناً**
آپ ﷺ ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔

✪ **ینظر من خلفه**
(آپ جیسے آگے دیکھتے تھے) ویسا ہی پیچھے دیکھتے تھے۔

✪ **کان اذا جلس بین قوم کتفاه اعلیٰ منه**
جب آپ کسی قوم میں بیٹھتے تو ان سب سے اونچے معلوم ہوتے۔

انشاء اللہ تعالیٰ جو شخص ان دس امور کو لکھ کر گھر میں رکھے گا اس کا گھر آگ سے نہیں جلے گا بلکہ اگر جلتی آگ پر ڈالے تو وہ بھی بجھ جائے گی (الستر تجی بالقبول خدمۃ قدم الرسول ﷺ صفحہ نمبر ۱۱۴)۔

درس حدیث

مولانا ابو یوسف محدث (کوٹلوی)

عن عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم انما الا عمال بالنیات وانما لامر مالوی فمن کانت هجرته الی الله ورسوله فهجرته الی الله و رسوله ومن کانت هجرته الی دنیا یصیبها اوامرء ة یتزوجها فهجرته الیٰ ما ها جرالیه (متفق علیہ)۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا انھوں نے فرمایا رسول کریم ﷺ نے سوائے اس کے نہیں اعمال (کا اعتبار ۔ اور خدا کی درگاہ میں قبولیت) نیتوں کے ساتھ ہے۔ یعنی کوئی عمل بدون نیت معتبر اور مقبول نہیں اور کسی آدمی کو اس کے کام میں حصہ یا ثواب نہیں۔ مگر وہی جو اس نے نیت کی پس جس شخص کی ہجرت محض خدا اور اس کے رسول کے لیے ہو (یعنی اس کی نیت میں طلب رضا و امتثال امر شارع ہو) تو اس کی ہجرت خدا اور اس کے رسول کے لیے ہے۔ (یعنی مقبول ہے اور اس پر ثواب عظیم مرتب ہوتا ہے) اور جس کی ہجرت محض حصول دنیا ہو یا کسی عورت کے نکاح کرنے کے لئے ہجرت کرتا ۔ (خدا اور رسول کی رضامندی کے لئے نہ ہو) تو اس کی ہجرت اسی چیز کی طرف ہے۔ جس کی طرف اس نے ہجرت کی یعنی حصول دنیا یا نکاح۔ اس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ اس حدیث میں بڑا علم ہے امام شافعی و احمد رحمہما اللہ نے اس حدیث کو ثلث اسلام یا ثلث علم فرمایا ہے۔ بیہقی نے اس کی توجیہ یہ فرمائی ہے کہ علم یا دل سے ہوتا ہے یا زبان سے یا بقیہ اعضاء سے اور نیت عمل دل کا ہے۔ اس لیے یہ حدیث علم کا تیسرا حصہ ہوئی (مرقاۃ)۔

اکثر مصنفین اصلاح نیت کے لیے اپنی کتابوں کو اسی حدیث سے شروع کیا کرتے تھے اس حدیث میں جناب رسول کریم ﷺ نے اخلاص کی ہدایت فرمائی ہے اور ہر عمل کے ثواب کو نیت پر موقوف فرمایا ہے اگر اعمال میں نیت نیک ہے تو ثواب ہے ورنہ نہیں۔

ہجرت ایک عمل ہے اگر اس میں حق سبحانہ ، و تعالیٰ کی رضا اور امتثال امر مقصود ہے تو موجب برکات ہے۔ اگر یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ اسی طرح انسان جو عمل کرتا ہے اگر اس میں رضائے حق مقصود ہے تو باعث اجر ہے ورنہ نہیں۔ اب اس حدیث سے جو فوائد مستنبط ہو سکتے ہیں وہ لیجیے اور خوب یاد رکھیے۔

۱۔ ایک شخص اپنے قریبی کو کچھ خیرات دیتا ہے اگر صرف اس کی غریبی کا خیال کر کے دیتا ہے۔ صلہ رحم کی نیت نہیں تو صدقہ کا ثواب تو پائے گا۔ لیکن صلہ رحم نہ ہوگا۔ اگر محض صلہ رحم کے لیے دیتا ہے تو صلہ رحم کا ثواب ہوگا، صدقہ کا ثواب نہ ہوگا۔ اگر دونوں نیت کرے تو دونوں ثواب پائے گا۔ معلوم ہوا کہ ایک کام میں متعدد نیتیں کرنے سے ہر ایک نیت پر ثواب ملتا ہے۔

۲۔ مسجد میں بیٹھنا ایک عمل ہے اگر اس میں بہ نیت اعتکاف بیٹھے۔ تو اعتکاف کا ثواب پائے گا۔ اگر نیت اعتکاف کے ساتھ یہ نیت بھی ہو کہ جماعت کا انتظار ہے۔ تو بحکم حدیث (جماعت کا منتظر نماز میں ہے) اس کو نماز کا ثواب بھی ملے گا۔ پھر اس کے ساتھ اگر یہ نیت کرے کہ آنکھ کان اور تمام اعضاء کی جملہ منہیات سے حفاظت ہوگی۔ تو یہ ثواب بھی حاصل ہوگا۔ پھر اس پر یہ نیت بھی کرے کہ صلوۃ وسلام آنحضرت ﷺ پر بیٹھ کر پڑھوں گا۔ تو اس کا ثواب بھی پائے گا۔ اگر یہ نیت بھی کرے کہ حج وغیرہ کا ثواب ملے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص وضو کر کے مسجد میں جائے اس کو حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ تو اس کو یہ ثواب بھی ملے گا۔ پھر اس پر یہ نیت بھی کرے کہ مسجد میں علم کا افادہ یا استفادہ ہوگا۔ یا امر معروف اور نہی المنکر حاصل ہوگا۔ تو اس ثواب کو بھی ضرور حاصل کرے گا۔ پھر اگر یہ نیت بھی کرے کہ کوئی دینی بھائی مسجد میں ملے گا اس کی زیارت سے مستفیض ہوں گا تو یہ اور اجر ہوگا۔ اسی طرح اگر نیت تفکر و مراقبہ کی کرے کہ مسجد میں تنہا ہو کر دل کی جمعیت کے ساتھ مراقبہ کروں گا تو یہ اجر بھی پائے گا۔ الغرض جتنی نیتیں کرے گا۔ سب کا ثواب پائے گا۔ کیونکہ حدیث شریف کے الفاظ **انما لامری مالوی** کا یہی مطلب ہے کہ جو نیت کرے گا وہ پائے گا۔

۳۔ اسی طرح اگر کسی میت کے ساتھ کوئی شخص نقدی یا غلہ قبر پر لے جائے اور اس کی نیت یہ ہو کہ قبر پر مساکین جمع مل سکتے ہیں۔ نیز عام مساکین جنازے میں شامل ہو جاتے ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ میت کے لیے جو کچھ دیا جائیگا حق سبحانہ و تعالیٰ اس کا ثواب اس میت کو ضرور پہنچائے گا ہاں اگر اس کی نیت درست نہیں۔ بلکہ محض دکھاوا ہے تو خواہ گھر کی کوٹھڑی میں بیٹھ کر خیرات کرے گا تو ثواب نہ ہوگا۔ اس لیے کہ نیت صحیح نہیں۔ معلوم ہوا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ اگر نیت خدا کے لیے اور ایصال ثواب کی ہے۔ تو قبر پر لے جانے سے کوئی

حرج واقع نہیں ہوتا۔ اور اگر نیت میں ریا ہے تو گھر میں بھی کچھ نہیں۔ لہذا مسلمانوں کو لازم ہے کہ ایسے امور میں نیت صحیح ہو نہ یہ کہ ایسے کام ہی چھوڑ دیں۔

۴۔ اسی طرح میت کے بعد تیسرے یا ساتویں یا چالیسویں دن کھانا پکا کر مساکین کو کھلایا جائے۔ اس میں بھی اگر وارثوں کی نیت یہ ہے کہ ان دنوں میں مساکین جمع ہو جاتے ہیں یا دوسرے خویش و اقارب آجاتے ہیں یا معین کرنے کے سبب کچھ نہ کچھ ادا ہو جاتا ہے۔ تو معین کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر یہ نیت ہو کہ ان اوقات مخصوصہ میں کھانا کھلانا تو پہنچتا ہے۔ آگے پیچھے کا نہیں پہنچتا تو یہ نیت غلط ہے۔ اس کی اصلاح کر دینی چاہیئے کہ میت کو جس روز کچھ ثواب پہنچانا چاہیئے پہنچتا ہے۔ کھانا ہو یا نقدی یا قرأت قرآن تخصیص ایام کوئی ضروری نہیں۔ اگر کوئی مصلحت ہو تو حرج بھی نہیں معلوم ہوا کہ نیت پر اعمال کا مدار ہے۔ نیت ایصال ثواب ہے تو جس روز دے گا پہنچے گا۔ تیسرا دن ہو یا ساتواں یا دسواں۔ اگر ریا ہے تو سب کچھ بے کار ہے۔

۵۔ اسی طرح اگر میت کے بعد لوگ بیٹھے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں ان کی نیت ہوتی ہے کہ خالی چپ چاپ بیٹھنے سے بجز حقہ کشی اور واہیات فضول باتوں کے اور کوئی بات نہیں ہوتی۔ اگر کلمہ طیبہ جس کی نسبت حدیث شریف میں افضل الذکر آیا ہے۔ پڑھتے ہیں تو یقیناً موجب برکت ہے پھر اگر بعض روایات کے مطابق ستر ہزار بار ہو جائے اور میت کو بخشا جائے تو امید مغفرت ہے تو کیا وجہ ہے کہ بموجب حدیث "انما لامری مانوی" کلمہ پڑھنے والوں کو ان کی نیت کے مطابق ثواب نہ ملے؟ جب حضور ﷺ نے فرمادیا ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اس نے نیت کی تو ضرور اجر ملے گا پھر وہ میت کو بخشیں گے تو ضرور میت کو بھی پہنچے گا۔

۶۔ اسی طرح مجلس میلاد کا کرنا اور جلوس نکالنا ہے تاکہ رسول کریم ﷺ کی شان ظاہر ہو اور اسلام کی عزت و عظمت و ہیبت مخالفین اسلام کے دلوں میں جاگزین ہو تو اسی حدیث کی رو سے جائز ہے کہ اس کی نیت نیک ہے۔

۷۔ اسی طرح ہر وہ کام جس کی ممانعت رسول کریم ﷺ نہ فرمائی ہو۔ نیک نیت کے ساتھ جائز اور کار ثواب ہے۔

۸۔ قرآن شریف جنابت کی حالت میں پڑھنا منع ہے لیکن اگر بہ نیت دعا پڑھے تو درست ہے۔ مثلاً وہ آیات جن میں دعا ہے جنبی کو بہ نیت قرأت قرآن پڑھنا حرام ہے اور بہ نیت دعا درست ہے۔

۹۔ الحاصل: ہر کام میں نیک نیت ہونا چاہیئے، حضرت مولانا روم نے مثنوی شریف میں ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک شخص نے مسجد کے پاس اپنا مکان بنوایا اور مسجد کی طرف ایک دریچہ رکھا اس کے پیر نے پوچھا کہ یہ دریچہ کس لیے رکھا ہے۔ اس نے کہا کہ ہوا کے لئے۔ آپ نے فرمایا اگر تو یہ نیت کرتا کہ یہ دریچہ محض اس لیے رکھا ہے کہ مسجد سے اذان کی آواز آجائے۔ یا جماعت کے کھڑے ہونے کا علم ہو جایا کرے تو ہوا خود بخود آجایا کرتی اور تجھے اس کا ثواب ہوتا۔

۱۰۔ اشعۃ اللمعات میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ احادیث میں آیا کہ جب ملائکہ بندوں کے اعمال آسمان پر لے جاتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے۔ "الق تلك الصحيفة الق تلك الصحيفة"۔ اس صحیفہ کو ڈال دے۔ اس صحیفہ کو ڈال دے۔ وہ فرشتہ عرض کرتا ہے کہ خدایا تیرے اس بندے نے نیک باتیں کیں۔ نیک عمل کئے۔ ہم نے سنا دیکھا اس کے نیکیوں کے دفتر میں لکھا اب اسے کس طرح ڈال دیں۔ حکم ہوگا۔ کہ لم یرد بہ وجهی کہ اس بندہ نے اس عمل کے ساتھ میری رضا کا ارادہ نہیں کیا یعنی اس کی نیت اس عمل میں میری رضا نہ تھی۔ اس لیے میرے حضور میں مقبول نہیں۔ اسی طرح ایک دوسرے فرشتے کو حکم ہوگا۔ اکتب لفلان کذا و کذا فلاں بندہ کے اعمال نامہ میں فلاں فلاں نیک عمل لکھ دے۔ فرشتہ عرض کرے گا کہ خدایا اس نے تو یہ کام کیا نہیں تو کیسے لکھوں گا۔ حکم ہوگا کہ اس نے نیت کی تھی۔ اس کا ارادہ کرنے کا تھا۔ مگر اس سے نہ ہو سکا۔ سبحان اللہ دیکھئے نیت نیک کرنے سے بغیر کیے اعمال کا ثواب مل گیا۔ اور بری نیت سے کئے ہوئے اعمال ضائع ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اخلاص کی توفیق دے۔

✪★◇★✪

مجلہ الحقیقت کا

غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے (شکرگڑھ)

اندھیروں میں ملا ہے کیا سویرا الحقیقت کا
یہ سورج ہے کہ ہے نکلا مجلہ الحقیقت کا
ہمیں الحقاق حق سے روشنی ملنے لگی حق کی
ہمارے سامنے ہے روئے زیبا الحقیقت کا
وہ کیا ہے یورش شیطاں، یہ کیا ہے تابش ایماں
وہ دعوت العداوت کی یہ رستہ الحقیقت کا
نہ بجز اہم سفر باطل کی اس تاریک وادی سے
خدا کا شکر ہے اب ہے سہارا الحقیقت کا
بلاغت بھی، صحافت بھی، دیانت بھی، صداقت بھی
شریعت بھی، طریقت بھی، شمارہ الحقیقت کا
خدارا ایک ہو جائیں رسول پاک کے عاشق
فروغ جذب باہم ہے ارادہ الحقیقت کا
غلام زار کی قسمت میں یہ خدمت بھی لکھی تھی
بفیض شیخ پھیلاؤں گا جلوہ الحقیقت کا

Mukhtar-e-Islam Research Center Islamabad

ضرورت فقہ

حضرت ابو یوسف محدث
کوٹلوی

الحمد للہ رب العالمین. والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین اما بعد.

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو محض اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے چنانچہ فرمایا

"وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون"

یوں تو ہر شے عبادت میں مصروف ہے۔ ملائکہ کے متعلق سوال ہوتا ہے۔

"یسبحون اللیل والنہار لا یفترون"

دیگر اشیاء کے متعلق فرمایا:

"وان من شیء الا یسبح بحمدہ"

لیکن جن و انسان کو عبادت کیلئے مخصوص فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک نوکر ہوتا ہے۔ ایک غلام، نوکر کی خدمات ہمیشہ متعین ہوتی ہیں۔ یعنی جس کام کے واسطے اس نوکر کو رکھا گیا ہوتا ہے۔ وہی کام اس سے لیا جاتا ہے اگرچہ کوئی شخص اس سے اور کوئی کام بھی لے تو سکتا ہے لیکن کوئی نہ کوئی ایسا کام ضرور ہوگا جس میں نوکر عذر کر دے کہ میں اس کام کیلئے نوکر نہیں ہوں

مثلاً کسی شخص نے ایک آدمی کو دیوار بنانے کیلئے نوکر رکھا ہے اگر اس کو کہے کہ مہتر کا کام بھی وہی کرے تو وہ عذر کر سکتا ہے کہ میں اس کام کیلئے نوکر نہیں ہوں بلکہ اولاد جس پر بہ نسبت نوکر کے زیادہ تسلط ہوتا ہے بعض کاموں میں انکار دیتی ہے لیکن غلام کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اس کا کوئی کام خاص مقرر نہیں ہوتا ایک وقت تو وہ اپنے آقا کی نیابت کرتا ہے اور عمدہ پوشاک پہنے وہی کام کرتا ہے جو اس کا آقا کرتا ہے اور دوسرے وقت اپنے آقا کے نجس کپڑے صاف کرتا کسی وقت بھنگی کا کام کرتا ہے۔ کسی وقت سفارت کرتا ہے تو غلام نوکر بھی ہے، مہتر بھی، سفیر بھی، خلیفہ بھی اسی طرح جن و انسان بمنزلہ غلام ہیں اور دوسری مخلوقات مثل نوکر کے ہیں، یہی وجہ ہے کہ دوسری مخلوقات کی عبادت کو تسبیح و تقدیس و سجدہ سے تعبیر فرماتا ہے اور انسان کی عبادت بلفظ عبدیت، پس ان کی کوئی خدمت نہیں ہوگی ایک وقت تو نماز روزہ میں ہیں۔ دوسرے وقت سونا، قضائے حاجت کرنا۔ لوگوں سے ملنا عبادت ہوگا۔ دیکھو جب پاخانہ یا پیشاب کا زور ہو تو نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ انسان کیلئے ایک ایسا وقت بھی ہے۔ اس کو اس وقت مسجد میں جانا منع اور بیت الخلاء میں جانا لازم ہے اسی طرح کسی شدت سے بھوک لگی تو شریعت حکم کرے گی کہ پہلے کھانا کھالو تو پھر نماز پڑھو اسی راز کو امام اعظمؒ نے فرمایا۔

"لا ن یکون اکلی کلہ صلوۃ خیر من ان یکون صلاتی کلہا اکلا" یعنی میرے تمام کھانے کا نماز ہونا بہتر ہے اس سے کہ میری سب نماز کھانا ہو جائے۔ کیونکہ جب کھانا کھانے میں نماز کا خیال رہا تو یہ سارا وقت انتظار صلوۃ میں گزرا اور انتظار صلوۃ میں نماز کا ثواب ملتا ہے بر خلاف اس کے کہ اگر بھوک میں نماز شروع کر دی تو دل کھانے میں مشغول ہوگا تو نماز کھانے کی نظر ہو جائے گی۔ یہی فہم ہے جس کی بدولت ان حضرات کو فقیہ اور مجتہد کہا جاتا ہے آج یہ فہم مفقود ہے۔

اسی بنا پر حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی فرمایا کرتے تھے کہ اگر جسم ہند میں رہے اور دل مکہ میں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ جسم تو مکہ شریف میں ہو اور دل ہندوستان میں غرض انسان کی شان عبدی ہے تو اس کا ہر کام چلنا پھرنا بیع وغیرہ کسب معیشت، نکاح، سونا جاگنا بلکہ اس کا اپنا ذاتی ضرورتوں میں مشغول رہنا سب عبادت الٰہی ہے بشرطیکہ شریعت کے مطابق ہو جتنے کام بتائے شخصی یا نوعی سے متعلق ہیں ان کے کرنے کی ترغیب و اجازت شریعت میں موجود ہے۔ بلکہ ان کو اچھی طرح سے ادا کرنے پر جنت کی اعلیٰ نعمتوں کا وعدہ اور رسول خدا ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں سے انحراف کرنے سے سزائے ابدی کا وعید فرمایا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر فرض ہے جو کام کرے خواہ وہ کام اس کی ذاتی ضرورتوں کا ہو یا اور، انہی طریقوں پر کرے جو کہ خدا اور رسول ﷺ نے بتائے ہیں تاکہ اس کا کھانا پینا، چلنا، پھرنا، عیش و عشرت خرید و فروخت کسب معاش وغیرہ سب عبادت ہی عبادت ہو جائے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہر ایک کام کے طریقے جو مسلمانوں کو بتلائے گئے قرآن و حدیث میں مذکورہ ہیں لیکن چونکہ قرآن کریم و حدیث شریف کو سمجھ کر نکالنے میں دشواریاں واقع ہوئی ہیں جس کے مختلف اسباب ہیں اس وجہ سے ہر شخص صلاحیت نہیں رکھتا کہ خود قرآن و حدیث سے نکال سکے۔ اس لئے علماء شکر اللہ سعیہم نے یہ کام اپنے ذمہ لیا اور مختلف آیات و احادیث سے تحقیق کر کے ہر ایک مسئلہ بیان کر دیا اور ایک مدت کی کوشش کے بعد انہوں نے ہر ایک جزئی کا حکم قرآن و حدیث سے نکال کر ایک علم مدون کر دیا جس کا نام فقہ ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ فقہا علیہم الرحمۃ

نے جو کام کیا کس قدر ضروری تھا ان کی جاں فشانیاں کس قدر قابل داد ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم کی فصاحت وبلاغت اعلیٰ درجہ میں واقع ہے۔ جس کو مخالفین نے تسلیم کیا ہے۔ کیونکہ جب دعویٰ نے کہا گیا کہ **فاتوا بسورۃ من مثلہ** تو کسی سے نہ ہو سکا کہ ایک دو سطر لکھ کر پیش کرے جو فصاحت وبلاغت میں قرآن کریم کا جواب ہو سکے اور کلام بلیغ کا یہ خاصہ ہے کہ باوجود عام فہم ہونے کے کچھ مضامین اس میں ایسے بھی ہیں جو خاص خاص لوگ اس پر مطلع ہو سکیں اس واسطے کہا جاتا ہے کہ **الکنایہ ابلغ من التصریح** جس طرح عبارت النص سے مسائل سمجھے جاتے ہیں دلالت اشارت اور اقتضا سے بھی سمجھے جاتے ہیں اس کے سوا نظم ومعانی سے اتنے مباحث متعلق ہیں کہ ان کے بیان میں خاص ایک فن اصول فقہ مدون ہو گیا۔

پھر اسی قسم کی دقتیں احادیث کے سمجھنے میں بھی ہیں اور حدیث میں بہت کچھ اختلاف واقع ہے۔ ناسخ منسوخ حقیقت، مجاز، عموم مخصوص مجمل مفسر وغیرہ معلوم کرنا پھر مقصود شارع کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ بلکہ ہر ایک کا کلام سمجھنے میں قرائن سے مددنی جاتی ہے گو الفاظ مساعدت نہ کریں اور یہ ہر کسی کا کام نہیں۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو بنو خذیمہ کے پاس بھیجا۔ انہوں نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے صاف طور پر نہ کہا کہ اسلمنا یعنی ہم اسلام لائے بلکہ صبانا صبانا کہا۔ یعنی اپنے دین سے پھر گئے ہیں خالدؓ نے ان کو قتل اور قید کرنا شروع کر دیا۔ اور ایک ایک قیدی ایک ایک شخص کے حوالے کیا۔ ہر ایک کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے قیدی کو قتل کر ڈالے میں نے کہا: **"واللہ لا اقتل اسیری ولا یقتل رجلا من اصحابی اسیرہ"**، خدا کی قسم میں اور میرے ساتھی ہرگز قتل نہ کریں گے۔

پھر جب ہم حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور ﷺ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

"اللھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد مرتین"

اے خدا، خالد نے جو کیا ہے۔ میں اس سے بری ہوں یہ الفاظ دو مرتبہ فرمائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معنی سمجھنے کیلئے قرائن سے مدد لینے کی بہت ضرورت ہے اور مطلب جو ظاہر الفاظ سے سمجھا جاتا ہے ہمیشہ وہی مقصود نہیں ہوتا اس لئے قرآن وحدیث کا پورا پورا مطلب سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں۔ حضور ﷺ نے جو فرمایا **اوتیت جوامع الکلم**۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ حدیث کی عبارتوں میں کئی پہلو ہوتے ہیں جنسے مسائل کا استنباط مختلف طور پر ہو سکتا ہے۔ ان کے معلوم کا معاوم کرنا بھی ہر ایک کا کام نہیں۔ پھر اکثر احکام میں علتیں ملحوظ ہوا کرتی ہیں اور علت کا متعین کرنا بہت مشکل کام ہے۔ غرض اس قسم کے مختلف اسباب سے ایسے علماء کی ضرورت ہوئی جو شارع کے مقصود کو قرائن اور جودت طبیعت سے معلوم کر سکیں، ان ہی کو **فقیہ** اور **مجتہد** کہتے ہیں۔ ترمذی نے کتاب الجنائز میں فقہا علیہم الرحمہ کی نسبت لکھا ہے۔

"وھم اعلم بمعانی الحدیث"

یعنی فقہاء حدیث کے معانی کو زیادہ جانتے ہیں۔ ترمذی کے اس قول کی تصدیق حدیث کے اس جملہ سے ہو سکتی ہے۔ جو حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔

"نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا واداھا فرب حامل فقہ غیر فقیہ ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ"

کہ اللہ تعالیٰ تر وتازہ رکھے اس بندے کو جس نے میرے اقوال سنے اور یاد رکھ کر لوگوں تک پہنچایا، جنہوں نے سنا نہیں۔ کیونکہ بہت روایت کرنے والے سمجھدار نہیں ہوتے اور بعض سمجھدار ہوتے ہیں۔ مگر جن کو وہ پہنچاتے وہ ان سے افقہ ہوتے ہیں۔

بلکہ درای کی روایت ہے۔

"فرب حامل فقہ ولا فقہ لہ"

جس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر حدیث کرنے والے محدثین کو سمجھ نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ محدثین کا اتنا ہی کام ہے کہ وہ روایتیں فقہا کو پہنچا دیں تاکہ وہ فکر کر کے مسائل استنباط کریں جن سے راویوں کی سمجھ قاصر ہو کیونکہ ظاہر ہے جو افقہ ہوگا وہ حدیث کے مطالب بہ نسبت غیر فقیہ کے زیادہ سمجھے گا۔

اسی حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث میں سوائے لفظی ترجمہ کے اور بھی بہت خفی راز ہیں جن کی طرف **اوتیت جوامع الکلم** میں اشارہ ہے۔ اگر جز الفاظ کوئی اور خفی راز ہوتا تو حامل حدیث کا غیر فقیہ ہونا بہ نسبت محمول الیہ کے یا بہ نسبت اس کے کم فقیہ ہونا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یقیناً احادیث نبویہ میں علاوہ مدلولات ظاہریہ کے اور بھی مدلولات خفیہ ہیں جن کو بعض علماء سمجھ سکیں گے اور بعض نہیں کیونکہ انسانی فطرت میں تفاوت جب کہ علماً وعملاً موجود ہے۔ جس کی طرف آیت قرآنی۔ **فوق کل ذی علم علیم** کا اشارہ ہے، جب یہ حال ہے تو مستنبطین کا استنباط بھی یکساں نہ ہوگا کسی کا ماخذ لطیف ودقیق ہوگا اور بعض کا جلی وظاہر۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کا استنباط جو بہت ادق ہے ظاہریوں کی نظر میں خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اس حدیث میں پہنچانے کا یہ ثواب بیان کیا گیا ہے۔ تو تخریج مسائل کا ثواب اسی پر قیاس کر لو۔ ترمذی کے اس قول کی تائید اس

روایت سے ہو سکتی ہے جو عالمگیری میں بحر الرائق سے لکھی ہوئی ہے۔

کہ عیسی بن ابان بڑا جلیل القدر محدث تھا۔ وہ کہتا ہے کہ میں حج کے مہینہ کے اول میں مکہ شریف آیا۔ اور ایک مہینہ مکہ شریف رہنے کا ارادہ کر کے چار رکعت فرض پڑھنے لگا تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شاگرد ملا۔ اور کہا کہ تو نے خطا کی۔ کیونکہ تم منیٰ کی راتیں شہر مکہ سے باہر رہو گے۔ اس لئے تمہاری نیت اقامت درست نہیں ہوئی۔ پھر وہی فقیہ ملا۔ اس نے کہا کہ اب تو نے دوبارا خطا کی کیونکہ اب تم مکہ معظمہ میں مقیم ہو جب تک وہاں سے الوداع نہ ہو چار پڑھو عیسیٰ بن ابان کہتے ہیں کہ میں نے طلب حدیث کو چھوڑ کر فقہ کی طلب اختیار کر لی اور پورا فقیہ ہوا۔

اور اس قول کی تائید یہ روایت بھی کرتی ہے جو خیرات الحسان صہ ٦٧ میں لکھی گئی ہے ایک بار اعمش رحمہ اللہ سے کسی نے چند مسائل پوچھے۔ اس مجلس میں امام رحمہ اللہ بھی حاضر تھے اعمش نے امام رحمہ اللہ کو فرمایا کہ آپ کا ان مسائل میں کیا قول ہے۔ امام صاحب نے ان مسائل کا جواب دیا۔ اعمش نے کہا کہ اس پر کیا دلیل ہے۔ امام صاحب نے فرمایا وہ احادیث جو آپ سے مجھے پہنچی ہیں اور چند حدیثیں مع اسناد پڑھ کر سنا دیں اور طریق استنباط بھی پڑھ کر سنا دیا اعمش نے نہایت تحسین کی اور فرمایا جو روایتیں میں نے سو دن میں بیان کی تھیں۔ تم نے ایک ساعت میں سنا دیں میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے ہو گے۔ پھر فرمایا "**يا معشر الفقهاء انتم الاطباء و نحن الصيادلة**"

"یعنی اے گروہ فقہا تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں۔ جن کے پاس دوائیں ہر قسم کی موجود رہتی ہیں اور تم دونوں کے جامع ہو۔ یعنی محدث بھی ہو اور فقیہ بھی ہو۔

اسی طرح علامہ قاری نے شرح مشکوٰۃ میں نقل کیا ہے۔ کہ امام اعظم رحمہ اللہ سے چند مسائل امام اوزاعی نے پوچھے انہوں نے سب کے جواب دیئے اوزاعی نے دلیل پوچھی تو فرمایا انہی احادیث واخبار سے جو آپ روایت کرتے ہیں پھر وہ پڑھ کر سنا دیں تو اوزاعی نے فرمایا

"**نحن العطارون وانتم الاطباء** ."

ہم عطار ہیں اور آپ لوگ طبیب۔

یعنی جس طرح عطار عمدہ عمدہ دوائیں اپنی دوکان میں رکھا کرتے ہیں اور ان کو بیماروں پر استعمال کرنا نہیں جانتے اسی طرح ہم لوگ محدثین صحیح حدیثیں جمع کرتے ہیں اور ان سے مسائل استنباط نہیں کر سکتے۔ جس طرح طبیب ادویہ کا استعمال جانتا ہے اسی طرح آپ فقہا حدیثوں کے موقع اور مواضع استعمال اور استنباط مسائل سے واقف ہیں۔

کسی شخص نے کچھ مال زمین میں دفن کیا تھا پھر اسے یاد نہ رہا تو حضرت امام اعظم رحمہ اللہ سے عرض کیا کہ کوئی ایسی وجہ بتاؤ جس سے مجھے اپنے دفینہ کا پتہ لگ جائے۔ حضرت نے فرمایا" **صل الليلة الى الغد ستذكر** "یعنی آج ساری رات صبح تک نفل پڑھ پھر تجھے پتہ لگ جائے گا"۔

اس شخص نے ایسا ہی کیا جب رات کو نماز میں مشغول ہوا، ابھی تھوڑا وقت گذرا کہ اسے اپنے دفینہ کا پتہ لگ گیا۔ صبح کو امام صاحب کی خدمت میں پہنچا اور واقعہ عرض کیا۔ امام صاحب نے فرمایا کیا تو نے نوافل صبح تک پڑھے یا چھوڑ دیئے۔ اس نے عرض کی کہ جب پتہ لگ گیا تو پھر چھوڑ دیئے۔ آپ نے فرمایا:

"**قد علمت ان الشيطن لا يدعك يصلى ليلتك حتى يذكرك و يحك فهلا اتممت ليلتك شكر الله** ."

میں جانتا تھا کہ شیطان تجھے ساری رات نماز نہ پڑھنے دے گا اور یاد کرا دیگا مگر افسوس کہ تم نے اس شکریہ میں ساری رات نوافل کیوں نہ پڑھے ؟۔

کیا آپ کے خیال میں آسکتا ہے کہ امام صاحب نے جو اس شخص کو یہ علاج بتایا کہ یہ کس آیت یا حدیث سے ماخوذ ہے۔ لو ہم بتاتے ہیں حدیث شریف میں ہے جب اذان ہوتی ہے تو شیطان بھاگ جاتا ہے تاکہ اذان نہ سنے۔ جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو آجاتا ہے۔ پھر اقامت کے وقت چلا جاتا ہے۔ پھر ختم ہونے پر آجاتا ہے۔ اور نمازیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ اور کہتا ہے۔

" **اذكر كذا اذكر لمالم يكن يذكر** "

فلاں بات یاد کرو فلاں بات یاد کرو"۔

یعنی جو اس کو یاد نہیں ہوتی وہ یاد کراتا ہے یہاں تک کہ آدمی نہیں جانتا۔ کہ کیا پڑھا ہے اس حدیث سے سمجھ کر امام صاحب نے فرمایا

"**قد علمت ان الشيطن لا يدعك يصلى ليلتك حتى يذكرك و يحك فهلا اتممت ليلتك شكر الله**".

میں جانتا تھا کہ شیطان تجھے ساری رات نماز نہ پڑھنے دے گا اور یاد کرا دیگا مگر افسوس کہ تم نے اس شکریہ میں ساری رات نوافل کیوں نہ پڑھے"۔

تفسیر کبیر و خیرات الحسان میں ہے کہ ایک شخص نے امام اعظم رحمہ اللہ کی خدمت میں آکر عرض کی کہ میں نے اپنی عورت کو قسم کر کے کہا ہے کہ جب تک تو میرے ساتھ نہ بولے گی میں بھی نہ بولوں گا اس نے بھی قسم کی اور کہا کہ جب تک تو نہ بولے گا۔ میں نہ بولوں گی۔ اب کوئی ایسی وجہ بتاؤ کہ ہم آپس میں بات چیت کریں اور کفارہ نہ پڑے۔ آپ نے پوچھا کہ یہ مسئلہ کسی اور سے بھی دریافت یہ ہے یا نہیں۔ اس نے کہا سفیان ثوری سے پوچھا ہے۔

انہوں نے فرمایا ہے کہ جو پہلے بولے گا وہ حانث ہوگا۔ آپ نے فرمایا جا تو اور اس کو بلا۔ کوئی حانث نہ ہوگا جب ثوری کو یہ فتوے پہنچا۔ حیران ہوا تو آپ نے سمجھایا کہ عورت نے جب قسم کی مرد کی قسم کے بعد۔ یہ اس کی طرف سے بات ہوگئی۔ اب مرد کے بلانے سے کوئی حانث نہ ہوگا۔ اس پر ثوری نے فرمایا کہ ہم اس سمجھ سے غافل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام اعمش جب حدیث ختم کر کے فتوی دینے کے لئے بیٹھے تو پہلے ہی مسئلہ کا جواب نہ دے سکے۔ جس سے معلوم ہوا کہ صرف حدیث سے کام نہیں چلتا فقہ کی بہت ضرورت ہے۔

مختصر کتاب النصیحۃ مولفہ خطیب بغدادی میں لکھا ہے کہ ایک جگہ محدثین کا مجمع تھا جس میں یحیی بن معین اور خثیمہ اور خلف بن سالم وغیرہم موجود تھے اور تحقیق حدیث میں گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک عورت آئی۔ اس نے پوچھا کہ غسالہ حائضہ ہے۔ کیا وہ میت کو غسل دے سکتی ہے یا نہیں کسی نے اس کا جواب نہ دیا اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اتنے میں فقیہ ابو ثور آ گئے ان کو دیکھ کر سب نے کہا کہ ان سے پوچھو یہ بتائیں گے۔ ابو ثور نے فرمایا کہ ہاں حائضہ غسل دے سکتی ہے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی وہ حدیث پڑھی۔ جس میں حضور ﷺ نے ان کو فرمایا تھا۔ " ان حیضتك لیست فی یدك ". (اور حدیث)۔ " کنت افرق راس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و انا حائض ".

سنتے ہی سب نے تصدیق کر دی اور کہا کہ یہ حدیثیں ہم کو فلاں فلاں راوی کے ذریعہ پہنچی ہیں۔ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ حدیثوں کا یاد رکھنا اور ہے اور مسائل کا استخراج اور ہے اور یہ وظیفہ فقیہ کا ہے۔

ابن جوزی رحمہ اللہ تلبیس ابلیس میں لکھتے ہیں کہ بعض محدثین نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا: ان یسقی الرجل ماءہ زرع غیرہ "

حضور نے اپنا پانی دوسرے کی کھیتی کو پلانے سے منع فرمایا ہے۔

تو محدثین کی ایک جماعت نے جو وہاں موجود تھی کہا جب ہمارے باغوں یا کھیتوں سے پانی بچ رہتا تھا تو ہم اپنا پانی ہمسایوں کے کھیتوں کی طرف چھوڑ دیتے تھے۔ اب ہم اس بات سے توبہ کرتے ہیں اور خدا سے استغفار کرتے ہیں، دیکھئے قلت فقاہت کے سبب یہ محدثین حدیث کا صحیح مطلب نہ سمجھ سکے۔ جس سے مراد پرائی عورت کے ساتھ وطی کرنے کی ممانعت تھی۔ معلوم ہوا کہ ظاہر الفاظ سے ہمیشہ ظاہر مقصود نہیں ہوتا اور یہ سمجھنا ہر کسی کا کام نہیں۔

اسی طرح ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور محدث کا حال لکھا ہے کہ انہوں نے چالیس سال جمعہ کی نماز کے پہلے کبھی سر نہ منڈایا اور دلیل میں یہ حدیث پیش کی کہ رسول کریم ﷺ نے منع فرمایا ہے: " عن الحلق قبل الصلوۃ یوم الجمعة ".

حالانکہ اسی حدیث میں لفظ حلق بکسر لام ہے جس کے معنی حلقہ کر کے بیٹھنا ہے۔ اسی واسطے ابن جوزی ابن صاعد محدث کے حق میں لکھتا ہے:

"کان ابن صاعد کبیر القدر فی المحدثین لکنه لما قلت مخالطته للفقها کان لا یفهم جواب الفتوی."

یعنی ابن صاعد بڑا محدث تھا لیکن فقہا کے ساتھ اس کی نشست برخاست بہت کم تھی۔ اس لیے فتوی کا جواب نہیں سمجھ سکتا تھا"۔

ابو بکر فقیہ کہتے ہیں کہ میں ابن صاعد کے پاس تھا تو ایک عورت آئی اس نے پوچھا کہ جس کنواں میں مرغی گر جائے اس کا کیا حکم ہے۔ تو ابن صاعد نے فرمایا۔ کیف سقطت کس طرح گری۔ عورت نے کہا لم یکن البیر مغطاة۔ کنواں ڈھانپا ہوا نہ تھا تو آپ نے فرمایا الا غطیته حتی لا یقع فیها شی ". تو نے کنواں کیوں نہ ڈھانپا کہ اس میں کوئی چیز نہ گرتی"؟۔

اسی طرح بعض محدثین کو فرائض کا مسئلہ پوچھا گیا تو اپنے جواب میں لکھا کہ مطابق حکم خدا تقسیم کیا جاوے۔ علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ ابراہیم حربی سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت علی بن داؤد محدث کے پاس آئی۔ وہ اس وقت حدیث بیان فرماتے تھے اور ان کے سامنے ہزار آدمی سامعین بیٹھے ہوئے تھے۔ آکر کہنے لگی کہ میں نے قسم کی تھی کہ اپنے ازار کو صدقہ کروں گی تو اب کیا کروں فرمایا تو نے ازار کتنے کو لیا اس نے کہا دو سو بیس درہم کو فرمایا! جا بائیس روزے رکھ جب وہ چلی گئی تو آپ افسوس کرنے لگے کہ ہم سے غلطی ہوگئی کہ عورت کو ظہار کے کفارہ کا حکم دے دیا۔ انتہی اس سے بھی معلوم ہوا کہ فہم حدیث کے واسطے فقاہت کی بڑی ضرورت ہے۔

کشف بزدوی میں لکھا ہے کہ ایک محدث بعد استنجا کے وتر پڑھا کرتے تھے۔ پوچھا گیا تو فرمایا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا

"من استنجی فلیوتر"

جو استنجا کرے چاہیے کہ وتر کرے"۔

اس نے یہ معنی سمجھے کہ جو استنجا کرے چاہیے کہ وتر پڑھے۔ حالانکہ معنی یہ تھے کہ استنجا میں طاق کو ملحوظ رکھے۔

مجھے اس مقام پر ایک لطیفہ یاد آیا ہے۔ کہ کسی شخص کا ایک مخلص دوست کسی دوسرے سے لڑ رہا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ میرا دوست تکلیف میں ہے اس نے اپنے دوست کے دونوں ہاتھوں کو پکڑ لیا مخالف نے اس کو خوب پیٹا۔ چونکہ اس کے دونوں

ہاتھ دوست نے پکڑے ہوئے تھے۔ وہ کچھ نہ کر سکا۔ لاچار ہو کر دوست کو کہنے لگا کہ تو نے کیا سلوک کیا ہے کہ مجھے پکڑ کر پٹوایا ہے۔ دوست بولا تو نے نہیں سنا کہ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی ! !

میں نے اس قول پر عمل کیا ہے۔ اس نے کہا اس کا مطلب تو دوست کی مدد کرنا ہے وہ کہنے لگا کہ ہم مطلب تو جانتے نہیں ہم تو ظاہر لیتے ہیں میں کتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حدیث کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں۔ اس کام کے لیے حضرات فقہا علیہم الرحمۃ ہی مخصوص ہیں۔

دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شیوخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے اور ایک دن اذا جاء نصر اللہ کے معنے ان سے دریافت کیے تو انھوں نے اس سے حضور ﷺ کی وفات شریف کی مراد بیان کی۔ جس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تصدیق کی اور شیوخ بدر پر حضرت ابن عباس کی فضیلت ظاہر ہوئی۔ کما فی البخاری۔

اسی طرح حدیث **ان اللہ خیر عبداً** سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے وفات شریف کو سمجھا جس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اعلم مانا۔

امام رازی نے کبیر میں آیت **الیوم اکملت لکم دینکم** سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے بھی وفات شریف کا استنباط کیا۔ ابن کثیر نے اس آیت سے وفات شریف کا استنباط حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے تو اس سے بھی معلوم ہوا کہ فہم مسائل ہر کسی کا کام نہیں۔

پس جو لوگ فقہ کو قرآن و حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں وہ ان کے فہم کا قصور ہے۔ کیا قانون کی شرح قانون نہیں۔ اگر اصول اقلیدس سے اشکال جدید بنائے جائیں تو ان اشکال کو اشکال اقلیدس نہ کہا جائے گا۔ اسی طرح فقہ بھی قرآن حدیث کا وہی بیان اور تفسیر ہے۔ اسی واسطے ہمارے فقہا علیہم الرحمۃ نے لکھ دیا ہے **القیاس مظہر لا مثبت**۔

علاوہ اس کے حضرات اہل حدیث کے نزدیک حدیث کی صحت کا مدار سند پر ہے۔ جس حدیث کی سند صحیح ہو۔ وہ حدیث بھی صحیح۔ جس کی سند ضعیف وہ حدیث بھی ضعیف۔ اگرچہ یہ سند بھی جملہ مخترعات ائمہ حدیث ہے۔ تاہم اس خیال نے ہمارے ان ملکی بھائیوں کے دلوں میں یہاں تک قرار پکڑا کہ بغیر سوچے سمجھے کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم (غیر مقلدین) جن مسائل پر عمل کرتے ہیں۔ وہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں اور حنفیہ کرام کے معمولات احادیث سے ثابت نہیں۔ حالانکہ حنفیہ کرام کے معمولات میں سے کوئی ایسا مسئلہ نہیں جو بے دلیل ہو۔

نیز بعض کچھ ایسے گستاخ پیدا ہوئے ہیں۔ جو بڑے بڑے اکابر امت پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ ان کی زبان سے نہ علما بچے ہیں نہ ائمہ دین۔ بالخصوص سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ کے تو کھلے دشمن ہیں۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ جن کو بڑے بڑے محدثین مثل صاحب مشکوۃ و ذہبی وغیرہ زاہد، عابد، متقی، پرہیزگار اور اعلیٰ درجہ کے بزرگ مانتے ہیں اور سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں علماء ان کی تقلید کرنے کو اپنے لیے ذریعہ نجات سمجھتے ہیں۔ امام شافعی ایسے امام، فقہ میں تمام خلقت کو ان کا کنبہ مانتے ہیں ایسے جلیل القدر امام کو برے لفظوں سے یاد کرتے ہیں اور ان کی تحقیق کو خلاف قرآن و حدیث سمجھتے ہیں۔ حالانکہ امام اعظم رحمہ اللہ نے جس قدر ہم پر احسان کیے ہیں ہم عمر بھر آپ کے احسانات کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ ہمارے لیے ایک ایسی سیدھی سڑک بنا کر گئے ہیں کہ ہمیں اب کسی نئی سڑک بنانے کی ضرورت نہیں رہی۔ ہر دانا اور نابینا اسی سڑک پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بیمار ہوتا ہے تو طبیب کے نسخے پر چلتا ہے۔ اس کی مرضی کے مطابق دوائی کرتا ہے اور اپنی ساری عقل اسی طبیب کار کے تابع کر دیتا ہے آخر آپ جانتے ہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ میں مرض کی ماہیت اور اس کے علاج کا واقف نہیں ہوں اور یہ طبیب اچھی طرح سے ماہر ہے۔ جو دوا یہ تجویز کرے گا اگرچہ میری عقل میں نہ آئے ضرور مفید ہو گی۔ اسی طرح مقدمات کی پیروی میں جب کوئی فریق وکیل کرتا ہے تو وکیل کا تابع ہو جاتا ہے۔ اور جانتا ہے کہ جس قدر مقدمہ سمجھنے کی عقل وکیل کو ہے۔ مجھے نہیں۔ اس لیے وکیل کی مرضی پر عمل کرتا ہے۔ مگر افسوس کہ آج کل لوگوں نے دین کو ایک کھیل بنا رکھا ہے۔ جن لوگوں کو اردو سمجھنے کی بھی لیاقت نہیں اور عربی سے محض نابلد ہیں وہ بھی اپنی سمجھ پر عمل کرتے ہیں۔ لاکھ کوئی سمجھاوے۔ مگر مرغی کی وہی ٹانگ کہتے چلے جائیں گے دین میں ہرگز ضرورت نہیں سمجھتے۔ کہ دین کے واقف اور ماہر جو کہیں گے وہ ٹھیک ہو گا۔ نہیں بلکہ اپنی اپنی چلاتے اور قرآن و حدیث و فقہ کے عالموں اور مجتہدوں کو برے برے لفظوں سے یاد کرتے ہیں: "**فالی اللہ المشتکی من ضیع الجہلاء**"۔

جاننا چاہیے کہ قرآن شریف و حدیث شریف دونوں عربی زبان میں ہیں اور جو فرقہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہے۔ بجز چکڑالوی فرقہ کے کوئی حدیث کا منکر نہیں۔ ہر ایک اپنے آپ کو قرآن،

حدیث کا تابع سمجھتا ہے تو اب دیکھنا یہ ہے کہ ان سب فرقوں میں سے فی الواقعہ قرآن و حدیث کا سچا تابعدار کون ہے۔ یہی ایک امر قابل غور ہے۔ جس پر نظر غائر کرنے سے بہت کچھ پتہ لگ جاتا ہے۔ قرآن کریم عربی ہے۔ اس کا مطلب ہر ایک فرقہ اپنے اپنے فہم کے مطابق لیتا ہے۔ چونکہ ہر شخص کا فہم الگ الگ ہوتا ہے۔ اس لیے کوئی کچھ سمجھتا ہے کوئی کچھ اور رسول کریم ﷺ نے کوئی تفسیر یا حدیث کی کتاب نہیں لکھی۔ جس میں ہم رسول کریم ﷺ کا طریقہ دیکھ لیا کرتے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کوئی تفسیر یا حدیث کی کتاب نہیں لکھی۔ جس میں ہم بوقت ضرورت مسئلہ دیکھ لیا کرتے۔ اور قرآن کریم کے سمجھنے میں جو اختلاف پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کو حضور ﷺ یا صحابہ کرام کی تفسیر یا حدیث کی کتاب میں دیکھ کر فیصلہ کر لیتے تو اب قرآن کریم کے سمجھنے کے لیے ہمارے پاس کونسا معیار ہے۔ جس سے ہم معلوم کر سکیں کہ اس کا مطلب لینے میں فلاں فرقہ کی غلطی ہے اور فلاں فرقہ حق پر ہے۔

اسی طرح حدیث شریف بھی عربی میں ہے۔ اس میں بھی سینکڑوں قسمیں ہیں کوئی صحیح ہے کوئی ضعیف کوئی موضوع ہے۔ کوئی شاذ، کوئی معلل، کوئی منفصل منقطع موقوف کوئی حسن لذاتہ کوئی لغیرہ غرض حدیث کی کئی اقسام ہیں کوئی مقبول ہے کوئی مردود۔

بعض حدیثیں ایسی ہیں جو صحیح مسند ہیں۔ لیکن ان پر کسی کا عمل نہیں بعض ایسی ہیں کہ اجماعی ضعیف ہیں۔ لیکن انہی پر عمل ہے۔ پھر یہ سب کچھ محدثین کے اپنے بنائے ہوئے اصول ہیں۔ ہر ایک نے اپنا اصول اپنی سمجھ کے موافق بنایا اور اسی کے مطابق حدیث کو صحیح یا ضعیف سمجھا۔

امام بخاری حدیث حسن کو حجت نہیں مانتے۔ مسلم وغیرہ مانتے ہیں۔ شیعہ قدریہ وغیرہ بدعتیوں کی حدیثیں بعض محدثین کے نزدیک مطلقاً قبول نہیں۔ بعض بوقت 'داعی الی البدعۃ' نہ ہونے کے مقبول سمجھتے ہیں۔ ورنہ مردود بعض کہتے ہیں کہ اگر وہ بدعتی مستحل بالکذب نہ ہو تو مقبول ہے۔ ورنہ مردود۔ چنانچہ صحیح بخاری میں بدعتیوں سے روایت کی گئی ہے۔ اسی طرح مدلس کی معنعن میں بعض کے نزدیک لقاء شرط ہے اور بعض کے نزدیک صرف معاصرت کافی ہے۔ امام بخاری و علی بن مدینی راوی کا اپنے مروی عنہ سے ملاقات شرط صحت حدیث لکھتے ہیں۔ امام مسلم اسی مذہب کی مقدمہ میں تردید کرتے ہیں۔ پھر حدیث کے رواۃ میں محدثین کا اختلاف کوئی کچھ کہتا ہے۔ کوئی کچھ ایک محدث کسی راوی کو ضعیف کہتا ہے تو دوسرا اس کی توثیق کرتا ہے پھر حدیث کے رواۃ کی جرح میں محدثین کا یہ اصول کہ معاصر کی جرح معتبر نہیں۔ پھر غیر معاصر کہنے کو مان لیا۔ حالانکہ وہ بھی کسی معاصر سے نقل کرے گا۔ وغیرہ وغیرہ کئی ایسی مشکلات ہیں جو بجز تقلید حل نہیں ہو سکتیں۔

امام اعظم رحمہ اللہ سے پہلے صحابہ کرام تھے انہوں نے رسول کریم ﷺ کے اقوال و افعال اپنی آنکھوں سے دیکھے اور کانوں سے سنے ان کو کسی قسم کی تحقیق و تقلید کی ضرورت نہ ہوئی۔ ان کو ان امور میں تابہ امکان بشری کامل یقین لابد فرض ہو گیا۔ اسی واسطے صحابہ کرام کو حضور ﷺ سے دیکھے یا سنے اور سیکھے ہوئے امور میں نہ کسی اجماع کی پروا ہوئی نہ کسی دلیل پر التفات۔ لیکن امام اعظم رحمہ اللہ علیہ جو تابعی تھے۔ ان کے زمانے میں گو حضرت نبوت سے حجاب تھا۔ لیکن ان کے علوم قطعیت میں علوم صحابہ سے کم اور تمام عالم سے قوی و محکم تھے۔ ان کو صحابی سے سن کر ایک رسوخ اور وثوق بلکہ وجدان و حال ہو جاتا تھا اور حجاب صحابیت کمال لطافت سے بائی نظر آتا تھا۔ ہاں اس قدر موقعہ وہم بڑھ گیا۔ شاید کسی اور سے سنا ہو اور اس نے صحابی سے سنا ہو اور فہم مرد و تحمل لفظ و ادا میں قصور ہو گیا۔ اس لیے راوی کے قوت و ضعف پر مقابلوں میں نظر پڑنے لگی۔

یہ تو ظاہر ہے کہ جو شخص یاد کا پکا اور سچ بولنے والا ہو۔ ممکن ہے کہ وہ کبھی خطا بھی کرے۔ ایک شعبہ رضی اللہ عنہ دیکھو جو امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔ اور بخاری و مسلم کے رواۃ میں سے ہیں۔ پھر بھی جامع ترمذی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کس قدر غلطیاں کیں۔ یہاں تک کہ محدثین میں آپ کثیر الغلط مشہور ہو گئے۔ پس ہر حدیث صحیح جس کے راوی ثقہ عادل حافظ ہوں۔ ممکن ہے کہ فلاں اور نفس الامر میں متن حدیث صحیح نہ ہو اور اس میں کسی ثقہ کو غلطی لگ گئی ہو۔ اسی طرح جو شخص حافظے کا کمزور یا جھوٹ بولنے والا ہو۔ ممکن ہے کہ کسی حدیث میں اس کی یاد نے خطا نہ کی ہو اور اس میں جھوٹ نہ بولا ہو۔ کیونکہ بڑا جھوٹا بھی کبھی سچ بولتا ہے۔ تو اس صورت میں ہر حدیث ضعیف ممکن ہے کہ نفس الامر میں صحیح ہو اور ہر صحیح ممکن ہے کہ نفس الامر میں غلط ہو تو معلوم ہوا کہ ہر حدیث صحیح الاسناد کا فی الواقع غلط ہونا اور ہر ضعیف الاسناد کا فی الواقع صحیح ہونا جائز اور ممکن الوقوع ہے۔ "کما حققه العلامة ابن الهمام فی الفتح حیث قال و یجوز غلط الصحیح و صحة الضعیف"۔

علامہ ابن صلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"متی قالوا هذا حدیث صحیح فمعناه اتصل سنده مع سائر الاوصاف المذکورة ولیس من شرطه ان یکون مقطوعا به فی نفس الامر (الی ان قال) و کذالك متی قالوا فی حدیث انه غیر صحیح فلیس ذالك

قطعاً بانه كذب فى نفس الامر اذقد يكون صدقاً فى نفس الامر و انما المراد انه لم يصح اسناده على الشرط المذكور"۔

یعنی محدثین جس حدیث کو صحیح کہتے ہیں اس سے مراد حدیث کی سند ہوتی ہے کہ متصل ہے اور سب اوصاف صحت اس میں پائے جاتے ہیں ۔حدیث صحیح ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ متن حدیث بھی نفس الامر میں صحیح ہے اور غیر صحیح ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ متن حدیث نفس الامر میں غلط ہے۔ اسی واسطے نووی نے شرح صحیح مسلم کے مقدمہ میں ثابت کیا۔ ہے کہ خبر اگرچہ صحیحین کی ہو ثبت علم یقینی نہیں بلکہ مفید ظن ہے۔

حافظ محمد لکھو کے والا جو پنجاب کے غیر مقلدین کا پیشوا تھا اپنی کتاب عقائد محمدی کے صفحہ ۹ میں لکھتا ہے:

وچ خبر احاد ہے ظن خطا اتھاویں سچے راوی
ہے قطع دلیل قرآن یقینی شک شبہ نہ تھاوی

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام نے بعض دفعہ احادیث صحیحہ کو رد کر دیا۔ حدیث تیمم جنب کے بیان کرنے سے حضرت عمرؓ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو روک دیا اور یہ حدیث طبقہ ثانیہ میں طرق کثیرہ سے مروی ہو گئی اور لوگ تیمم جنب کے قائل ہو گئے۔ مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے حدیث فاطمہ بنت قیس کو رد کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عدم قبول خبر معقل بن سنان مروی ہے۔ ابن عباس نے خبر ابوہریرہ پر اعتراض کیا کہ حمل جنازہ سے وضو کیونکر ہو گا۔

لہذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہ ستر سال آنحضرت ﷺ کے بعد پیدا ہوئے۔ اپنی خداداد لیاقت سے یہ مشکلات قبل از وقت معلوم کر کے فقہ کی بنیاد ڈالی ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ قرآن کریم کی آیات سے بے دین لوگ آزاد ہو کر اپنا اپنا مطلب گھڑیں گے اور حدیث کی کوئی کتاب رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں تیار نہیں ہوئی۔ اس لیے لوگ جھوٹی موٹی حدیثیں بنا کر بھی پیغمبر ﷺ کے ذمہ لگا دیں گے ۔ اس لیے قرآن کریم وحدیث رسول رحیم میں طویل غور و فکر کر کے ہر ایک ضروری مسئلہ مجتہدین بھر کوشش کر کے اپنے شاگردوں سے صحیح صحیح مسائل جو کہ بے کھٹکے ہم لوگوں کو عمل کرنے کے لیے کافی تھے۔ کتابوں میں لکھوا دیے تاکہ آئندہ نسلوں کے لیے موجب آسانی ہو۔

اللہ جل شانہ نے ان کو اس محنت و مشقت کا اجر عظیم عطا فرمایا اور ان کی یہ محنت و کوشش یہاں تک مقبول ہوئی کہ مسلمانوں کے قریباً تین ثلث ان کے تابعدار ہو گئے۔ " **ذالك فضل الله يوتيه من يشاء**"۔

اسی واسطے امام بخاری کے پاس جب ایک حدیث کا طالب اور عمل کا حریص آیا۔ تو آپ نے وہ سب مشکلات بیان کر کے فرمایا: "**و ان لم تطق حمل هذه المشاق كلها فعليك بالفقه (الى آخر قال) مع هذا الثمرة الحديث وليس ثواب الفقه دون ثواب المحدث فى الاخرة ولا عزة اقل من عزة المحدث**"۔ (قسطلانی)

کہ تو فقہ کو لازم پکڑ کہ وہ حدیث کا ثمرہ ہے اور فقیہہ کا ثواب اور عزت محدث کے ثواب اور عزت سے کم نہیں۔

☆☆☆

[illegible]

(پروفیسر محمد محبوب عارف)

مشہور سیالکوٹی غیر مقلد عالم مولانا میر ابراہیم سیالکوٹی فرماتے ہیں۔ "حضرت امام کے متعلق تحقیقات شروع کی تو مختلف کتابوں کی ورق گردانی سے میرے دل میں کچھ غبار آگیا جس کا اثر بیرونی طور پر یہ ہوا کہ دوپہر کے وقت جب سورج پوری طرح روشن تھا۔ یکایک میرے سامنے گھپ اندھیرا چھا گیا گویا ظلمت بعضها فوق بعض کا نظارہ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ یہ حضرت امام صاحب رضی اللہ عنہ سے بدظنی کا نتیجہ ہے اس سے استغفار کرو میں نے استغفار کرنا شروع کی، وہ اندھیرا کافور ہو گیا اور ان کی بجائے ایسا نور چمکا کہ اس نے دوپہر کی روشنی کو مات کر دیا۔ اس وقت سے میری حضرت امام صاحب سے عقیدت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور میں ان شخصوں سے جن کو حضرت امام صاحب سے عقیدت نہیں ہے، کہا کرتا ہوں کہ میری اور تمہاری مثال اس آیت کی مانند ہے کہ حق تعالیٰ نے منکرین معراج قدسیہ آنحضرت ﷺ سے خطاب کر کے فرمایا ہے۔ **افتمارونه على ما يرى** میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہشیاری میں دیکھ لیا، تمہارا اس میں مجھ سے جھگڑنا بے سود ہے (تاریخ اہل حدیث ص ۷۲)۔

★ حافظ عبدالمنان وزیر آبادی فرمایا کرتے تھے "جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابو حنیفہ کی بے ادبی کرتا ہے، اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا (تاریخ اہل حدیث ص ۴۳۷)

مولانا داؤد غزنوی نے فرمایا "جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی بد دعا لے کر بیٹھ گئی، ہر شخص ابو حنیفہ کہہ رہا ہے، کوئی بہت عزت کرتا ہے تو امام ابو حنیفہ کہہ دیتا ہے ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ، اگر کوئی بڑا احسان کرے تو وہ سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے۔ جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یک جہتی کیونکر پیدا ہو سکتی ہے۔ (مولانا داؤد غزنوی ص ۱۳۶)

معراج شریف اور اصلاح عقائد

پروفیسر محمد حسین آسی (ایم۔اے)

تو معنی والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مدوجزر ابھی چاند کا محتاج
(اقبال علیہ الرحمہ)

ماہ طیبہ کا موجودہ شمارہ رجب المرجب شریف میں شائع ہو رہا ہے۔ اس مقدس مہینے کی 27۔ ویں رات کو حضور سید عالم نور مجسم ﷺ جسم و روح مبارک کے ساتھ آسمانی و لامکانی معراج پر فائز ہوئے۔ یوں تو رجب المرجب ابتداء ہی سے حرمت والے مہینوں میں شمار ہوتا رہا ہے۔ تاہم واقعہ معراج کے شرف نے اسے بھی معراج کرا دی اور عالم اسلام میں اس حوالے سے منایا جانے لگا۔ شیخ محقق حضرت عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ دیار عرب میں رجبی شریف کی رسم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"وَمَوْسِمُ الرَّجبية متعارف بينهم." (ماثبت بالسنة)

ترجمہ: اور رجبی کا موسم اہل عرب کے یہاں عام تعارف ہے۔

معراج شریف کا واقعہ از حد مشہور ہے۔ اسے دہرانے کی بجائے یہ جن عقائد کی تائید و وضاحت کرتا ہے۔ یہاں ان میں سے بعض کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

1۔ خدا ہر عیب سے پاک ہے

قرآن حکیم میں واقعہ معراج کے بیان کا آغاز سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی) سے ہوا۔ رب کریم نے خصوصاً یہاں اپنی پاکی کا بیان کیوں فرمایا۔ اس کی جو وجہ ہماری سمجھ میں آئی ہے یہ ہے کہ منکرین کے نزدیک رات کے تھوڑے سے حصے میں زمین و آسمان بلکہ قاب قوسین تک کی سیر ناممکن تھی۔ قرآن حکیم نے لفظ سبحٰن سے معراج جسمانی کی دلیل قائم کی ہے۔ وہ اس طرح کہ معراج کرانے کا دعویٰ خدائے قادر و قیوم کر رہا ہے۔ اگر معاذ اللہ وہ بھی نہ کرا سکے۔ تو عاجز و ضعیف ٹھہرے گا اور عجز و ضعف عیب ہے۔ جو اس کی ذات پاک کے ہرگز لائق نہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حضور رسول اکرم نبی اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معراج شریف پر جانا خداوند کریم کے قادر مطلق ہونے کی وجہ سے ہے اور وہ لوگ جو اللہ ذوالجلال کے ہر عیب سے پاک ہونے پر ایمان رکھتے ہیں۔ حضور نبی کریم رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے کمالات کا ہرگز ہرگز انکار نہیں کر سکتے۔ نیز جو لوگ ان کمالات کا انکار کرتے ہیں وہ دراصل خداوند کریم کی عظیم وجلیل قدرتوں پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ بالفاظ دگر نبوت کا ہر کمال توحید خداوندی کی روشن دلیل ہے۔ اگر معاذ اللہ شرک کا خطرہ ہوتا تو قادر کریم نہ اپنے نبیوں کو معجزات عطا فرماتا اور نہ انہیں کلام پاک میں بیان فرماتا۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بعض لوگوں نے خدا کہا اور کہتے ہیں۔ کتنا قبیح شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکوں کی پوری تردید فرما دی۔ مگر کہیں بھی ان کمالات کا ذکر نہیں روکا جو اس نے خود اپنے نبی کو عطا فرمائے۔ قرآنی اسلوب دلیل کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا ان کے خدا ہونے کی دلیل نہیں بلکہ نبی ہونے کی دلیل ہے۔ اسی لیے باذن اللہ کی تصریح فرما دی۔ یعنی ان کا یہ کمال بلکہ جملہ کمالات خداوند برتر کے فضل و اذن پر منحصر ہیں۔ جو فضل و اذن کا محتاج ہو۔ خدا نہیں ہو سکتا اور خدا کا یہ فضل و اذن بھی ہر ایک کو نہیں بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام یا بالخصوص برگزیدہ بندوں کو میسر آتا ہے۔

اس مختصر سے بیان پر پھر غور کریں اور سوچیں۔ حضور پرنور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات پر ایمان رکھنا اپنی توحید بچانے کے لیے کتنا ضروری ہے۔ اگر کوئی ان سے منہ پھیرتا ہے تو خدا کی ذات وصفات پر ایمان رکھنے کی کون سی دلیل اس کے پاس رہ جائے گی۔ حضور سرور کائنات علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم غیب جانتے ہیں۔ دور کے سنتے ہیں غلاموں کے کام آتے ہیں۔ حاضر و ناظر ہیں۔ یہ سب کمالات نبوی خدا کے ہر عیب سے پاک ہونے کے دلائل ہیں اسی طرح جیسے واقعہ معراج اگر معاذ اللہ وہ اپنے نبی کو یہ کمالات نہیں دے سکتا تو عاجز ٹھہرے گا اور وہ ہر عجز سے پاک ہے۔ یہ وہی کمالات ہیں جنہیں کفار نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور نبی کی بے مثل طاقتوں کو ماننے پر مجبور ہو گئے۔ جونہی نبوت کی عظمت تسلیم کی۔ عظمت توحید ان پر واضح ہو گئی اور اس طرح نبوت کے واسطے سے خدا تک پہنچ گئے۔

2۔ حضور ﷺ خدائے پاک کے محبوب اعظم ہیں

اوپر کی سطور سے صاف ظاہر ہے کہ نبی المحتشم رسول معظم ﷺ کے منکروں، دشمنوں اور گستاخوں کو جواب دینا اور ان کا منہ بند کرنا رب العالمین جل مجدہ کی سنت ہے۔ دیکھیں انہوں نے معراج شریف کو ناممکن سمجھا تو اللہ کریم نے اپنی قدرت کے حوالے سے اس کے وقوع کی وضاحت کر دی۔

قرآن حکیم میں ایسے نظائر اور بھی ہیں۔ جہاں کہیں کسی خودسر نے حضور سرور انبیاء علیہ التحیۃ والثناء پر اعتراض کیا۔ اس کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں، آپ کے رب نے دیا اور پھر صرف جواب ہی نہیں دیا۔ ان کے نازیبا کلمات کو نقل بھی نہیں فرمایا۔ دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام پر جو اعتراض ہوئے۔ ان کے جواب قرآن پاک میں انہیں کی طرف سے دیئے گئے اور ساتھ ہی کفار کے اعتراضات کو بھی بیان کر دیا گیا۔

یہ سب کچھ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ آپ اپنے رب کے محبوب اعظم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اور دربار خدا میں جو عزت و وجاہت آپ کو حاصل ہے کسی کو بھی نہیں۔

3۔ حضور ﷺ انبیائے کرام علیہم السلام میں بھی بے مثل ہیں

خدائے کریم اپنے نبی علیہ السلام کو جو امتیازی قوت و کمال عطا فرماتا ہے۔ اسے معجزہ کہا جاتا ہے۔ جس کا معنی ہے عاجز کر دینے والی قوت یعنی یہ مخصوص طاقت اللہ نے اپنے نبی کو بخشی ہے۔ کسی دوسرے کو نہیں۔ چنانچہ سب جانتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصائے مبارک نے جادوگروں کے ساتھ ساتھ خدائی کے جھوٹے مدعی (فرعون) کو بھی عاجز و دم بخود کر دیا۔ دم عیسیٰ علیہ السلام نے حکمت و طب کے تمام علمبرداروں کو مبہوت کر دیا۔ اب قیامت تک حضور خاتم الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کا دور ہے۔ جس جس زمانے میں جو جو کمالات ابھریں گے۔ ان سب کی حیثیت ہمارے آقا و مولانا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خداداد کمالات کے مقابلے میں صفر سے بھی کم ہوگی۔ مثلاً اس معجزہ معراج کو لیجیے۔ اور دور حاضر کے سائنسی کمالات پر ایک نظر جمائیے۔ بتائیے میزائیلوں اور راکٹوں کی صاحب

معراج صلی اللہ علیہ وسلم کے براق سے کیا نسبت ہو سکتی ہے۔ یہ چاند پر کتنی دیر میں پہنچتے ہیں اور ہمارے آقا و مولا سرور دوسرا علیہ التحیۃ والثناء عرش عظیم سے آگے ستر ہزار پردوں کو طے کر کے "او ادنی" تک جا کر واپس تشریف لے آئے اور اتنی جلدی کہ

زنجیر بھی ہلتی رہی بستر بھی رہا گرم
اک دم میں سرِ عرش گئے آئے محمد ﷺ

حق یہ ہے کہ اور تو اور خود انبیائے کرام علیہم السلام میں بھی کوئی آپ جیسا نہیں اور اس کی ایک دلیل دفعہ معراج بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو ان کے حسب مراتب معراجیں عطا فرمائیں۔ مگر کسی کی معراج بلکہ سب کی معراجیں اکٹھی ہو کر بھی اس محبوب اعظم سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کے برابر نہیں۔ پھر ان کی معراجیں اپنی التجا و کوشش پر ہوئیں۔ اور اکثر خود اپنے مقام معراج کی طرف چلے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت خصوصی دے کر بلایا گیا اور ہزاروں فرشتوں کا جلوس مع براق خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

نہ عرش ایمن نہ اِنّی ذَاھِبٌ میں میہمانی ہے
نہ لطف اُدْنُ یا احمد نصیب لن ترانی ہے

یعنی وادی طور اور عرش اعظم میں کتنا فرق ہے' جناب ابراہیم علیہ السلام اپنی معراج کو گئے۔ تو اِنّی ذَاھِبٌ اِلٰی رَبّی سَیَھْدِیْنِ کہہ کر اور موسیٰ علیہ السلام رَبِّ اَرِنِی کی دعا کر کے اپنے جذبۂ شوق کا اظہار کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اپنی مرضی سے جانا اور ہے اور دعوت پر جانا اور

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں
اپنا جانا اور ہے' ان کا بلانا اور ہے

موسیٰ علیہ السلام کو طور پر لن ترانی (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا) فرما دیا جاتا ہے اور محبوب اکرم نور معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش اعلیٰ سے آگے ہزارہا منزلیں طے کر کے بڑھتے جاتے ہیں۔ اور بلانے والے رب اکرم جل مجدہ کی طرف سے پھر بھی یہ ندائیں آتی ہیں۔

ادن یا احمد' ادن یا محمد' ادن یا خیر البریۃ.

ترجمہ:۔ قریب ہو اے احمدؐ قریب ہو اے محمدؐ قریب ہو اے بہترین کائنات۔ اعلیٰ حضرت اس کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں۔

بڑھ اے محمدؐ قریں ہو احمدؐ قریب آ سرور مجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی' یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

پھر اللہ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔

تبارک اللہ شان تیری' تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

ہمارے نبی کریم الرحیم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی معراج شریف سے بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ تاجداران نبوت میں بھی آپ کا کوئی ہمسر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان سب نے آپ کے پیچھے بیت المقدس میں نماز پڑھی۔ نیز اللہ کا دیدار بھی صرف آپ ہی کو ہوا۔ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اب سوچئے وہ لوگ کتنے بدنصیب ہیں جو امتی ہونے کا اقرار کر کے بھی اپنے آپ کو حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل قرار دیتے ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں جو بشریت کا بہانہ بنا کر مثل و مثلیت کے قائل ہیں۔ سوچنا چاہیے کہ جس بشریت نے انبیائے کرام علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ ایک آن میں عرش معلیٰ تک سر کر لیا اور ان مقامات کا مشاہدہ کیا۔ جہاں کسی کا وہم و قیاس بھی نہ پہنچ سکے۔ اس کا مثل کون ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور خواجہ کل علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی بشریت مقدسہ ہزار ہا انور کی جامع ہے۔ بلکہ یہ بشریت محض ایک لبادہ ہے۔ اسی لیے حضرت مولائے روم علیہ الرحمۃ حضور سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر
بہر حق سوئے غریباں یک نظر

یعنی اے وہ ذات پاک جس میں ہزاروں جبرئیل پوشیدہ ہیں۔ خدا کے لیے ہم غریبوں کی طرف بھی ایک نگاہ کرم فرمایئے۔ چنانچہ سدرۃ المنتہیٰ سے جبرئیل علیہ السلام کا آگے نہ جا سکنا اور یہ عذر کرنا۔ لو دنوت انملة لاحترقت (اگر میں انگلی کے پورے کے برابر بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں) بھی اسی حقیقت کی دلیل ہے۔

قرآن حکیم میں قل انما انا بشر مثلکم. فرما دو میں ظاہری صورت بشری میں تم جیسا ہوں۔" میں حضور خواجہ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تواضع سکھائی گئی ہے۔ جیسا کہ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وضاحت فرمائی ہے۔ اگر تواضع کے سوا کچھ اور مقصود ہوتا تو تیس پاروں میں کہیں نہ کہیں اس مفہوم کا حکم بھی ضرور ہوتا کہ اے مسلمانو قولوا انما هو بشر مثلنا. (کہو کہ بیشک وہ ہمارے جیسے بشر ہیں) مگر ایسا ہرگز نہیں۔ ہاں قرآن حکیم میں بارہا آیا کہ انبیائے کرام علیہم السلام کو کافروں نے ہمیشہ اپنے جیسا بشر کہا۔ حضرت مولانا روم اور سیدنا مجدد الف ثانی جیسے اکابر علیہم الرحمہ نے بھی کافروں کے کفر کی یہی وجہ بیان فرمائی ہے۔

حیرت ہے جناب عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام دوسرے آسمان پر ہیں۔ انہیں سب روح اللہ کہتے ہیں۔ حضور خواجہ دوسرا علیہ التحیۃ والثناء لامکان کی سیر فرماتے ہیں اور عالم نور سے بھی آگے نکل جاتے ہیں۔ انہیں نور اللہ کہنے پر اعتراض جڑ دیا جاتا ہے۔ اگر روح اللہ کہنے سے شرک نہیں ہوا تو نور اللہ کہنے پر شرک کیسے حملہ آور ہو گیا۔

اپنی اپنی سوچ ہوتی ہے۔ جنہیں رب کریم نے عشق و ایمان کی دولت سے نوازا ہے۔ ان کے نزدیک حضور سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج شریف پر جا کر بشریت کی لاج رکھ لیا اور اسے نئی نئی بلندیوں سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ حکیم الامۃ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ ﷺ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

اس سلسلے میں ہمارے دوست پروفیسر یونس صاحب حسرت کے دو شعر بھی ملاحظہ ہوں۔

مٹی کہاں اور عرش معلیٰ بھلا کہاں
تیرے طفیل مرتبہ ہے خاک کو بلند
عظمت زمیں کو ہے تری خاک پانے دی
افلاک کو قدم نے ترے کر دیا بلند

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان عبدیت۔ حضور خواجہ کوثر ﷺ اپنی عبدیت میں بھی بے مثال ہیں اور قرآن پاک میں حضور ﷺ کو عبدہ فرمایا جاتا۔ آپ کی مخصوص عظمت کی سند ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جس وصف عبدیت کو معراج شریف کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ اسی سے بعض لوگوں نے یہ الٹا نتیجہ نکالا کہ حضور ﷺ بھی بندے' ہم بھی بندے۔ لہذا ایک جیسے ہوئے۔ آنکھوں پر انکار کی ایسی پٹی بندھی کہ انہوں نے عبد (بندہ) اور بشر کا فرق ہی نہ سمجھا۔ پیٹ کا بندہ' درہم و دینار کا بندہ' ہوائے نفس کا بندہ اور بندوں کا بندہ اس جیسا کیونکر ہو سکتا ہے۔ خدا کا بندہ اپنی اپنی زندگی کے مطابق اعلیٰ اشرف اور اکرم ہوتا جاتا ہے۔ (ان اکرمکم عند اللہ اتقکم) بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہی ہے جو تم میں زیادہ پرہیز گار ہے۔" انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت و معرفت ہے۔ ہمارے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء جان عبادت (اور وسیلہ معرفت ہیں۔ آپ صاحب لولاک ہیں۔ عبدہ اسی بات کی طرف اشارہ کرتا

ہے۔ کہ جیسا محمد اور احمد (ﷺ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی نام ہیں۔ یونہی عبدہ بھی جب کسی نام کی تصریح کے بغیر آتا ہے تو اس سے مراد معراج کے دولہا حضور احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی ذات گرامی ہی ہوتی ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں کہیں کہیں دوسرے انبیائے کرام کو عبدہ فرمایا گیا ہے۔ وہاں ان کا اصلی نام بھی بیان کر دیا گیا۔

سیدنا مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے وضاحت سے لکھا ہے کہ اگرچہ بعض صوفیا کے نزدیک مقام محبت بہت اونچا ہے مگر ہمارے نزدیک مقام عبدیت اس سے بھی اونچا ہے۔ علامہ اقبال (علیہ الرحمہ) جو حضرت شیخ مجدد قدس سرہ کی تعلیمات سے بہت زیادہ فیضیاب ہوئے' عبدہ کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اپنے رب کا مظہر اکمل ہے۔ کائنات کا راز دروں ہے۔ دنیا و دین کا مقصود ہے۔

4۔ حضرت محمد ﷺ کی معراج روحانی بھی ہے اور جسمانی بھی

بعض لوگوں کے نزدیک معراج ہوئی تو ضرور مگر محض خواب میں روحانی طور پر حضور سرور دین ﷺ کا جسم پاک کہیں نہیں گیا اور نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی جسم کے ساتھ رات کے تھوڑے سے حصے میں یہ طویل ترین سفر طے کر سکے۔ مگر یہ محض وہم ہے اور خداوند کریم وقدیر کی قدرت کاملہ پر ایمان نہ ہونے کی بناء پر آج انسان سائنسی ترقی کی بنا پر جو انتہائی تیز رفتار راکٹ وغیرہ بنا رہا ہے' کل ان کا تصور کون کر سکتا تھا اور آئندہ نجانے کتنی ترقی ہو گی۔ ماضی کا فلسفہ معراج کے وقوع پر جتنے اعتراضات کرتا تھا۔ ان سب کے جوابات موجودہ سائنس کی برق رفتار ایجادات نے دے دیے ہیں اور جوں جوں سائنسی انکشافات میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ معراج بلکہ پورے دین اسلام کی صداقت واضح ہوتی جائے گی۔

جہاں تک اہل ایمان کا تعلق ہے۔ ان کے لیے قرآن پاک اور احادیث شریف کی تصریحات ہی کافی ہیں۔ سبحن الذی اسری بعبدہ. وغیرہ الفاظ سب جسمانی معراج کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور احادیث شریفہ کا مطالعہ تو کوئی شک رہنے نہیں دیتا۔

5۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی زندگی روح کی محتاج نہیں

شیخین کی روایات کے مطابق سینہ مبارک چیرا گیا۔ دل مبارک باہر نکالا گیا۔ پھر اسے آب زم زم سے دھویا گیا۔ اسے شگاف دیا گیا اور اس میں مزید ایمان وحکمت بھرا گیا۔ اس سے مقصود غیبی مشاہدات بالخصوص ذات باری کے دیدار کی طاقت پیدا کرنا تھا۔ تاہم جو دوسرا نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ دل جو انسانی جسم میں گویا روح کا ہیڈ کوارٹر ہے' حضور ﷺ کے سینہ مبارک سے باہر نکالا گیا۔ پھر بھی آپ دیکھتے رہے اور مسکراتے رہے۔ گویا حضور ﷺ سراپا حیات ہیں۔ اور دل باہر یا روح قبض ہو۔ آپ کی زندگی مبارک میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حضور ﷺ کے علاوہ دوسرے انبیاء علیہم السلام بھی وصال کے بعد زندہ رہتے ہیں۔ اسی واقعہ میں آپ کے پیچھے خود انبیاء نے نماز پڑھی۔ صرف ان کی روح نے نہیں۔

6۔ حضور اکرم ﷺ کا سننا دیکھنا دائمی ہے

شق صدر کے بیان میں سیدنا حضرت جبریل امین علیہ السلام کی خصوصی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں۔

قلب وکیع فیه اذنان سمیعتان و عینان بصیرتان. (شرح شفاء۔ ملا علی قاری)

یعنی حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قلب مبارک نہایت قوی ہے۔ اس میں دو سننے والے کان ہیں اور دو دیکھنے والی آنکھیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ کان غیبی آوازیں سننے کے لیے ہیں اور یہ آنکھیں غیبی حقائق دیکھنے کے لیے ہیں۔

دور حاضر میں سرکار دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب کے بارے میں بعض لوگ کتنے شکوک وشبہات میں گرفتار ہیں۔ حالانکہ عالم غیب کا تفصیلی مشاہدہ حضور ﷺ اپنے سر مبارک کی آنکھوں سے فرما آئے ہیں۔ عرش وکرسی' لوح وقلم' جنت و دوزخ وغیرہ غیب ہی تو ہیں۔ بلکہ جو ان غیبوں کے لیے بھی غیب ہے۔ یعنی ذات باری جل جلالہ حضور ﷺ نے اس کا بھی دیدار کیا اور اس انداز سے کہ ما کذب الفواد ما رای ۝ (النجم) ''دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا۔''

یعنی جو کچھ آنکھ نے دیکھا' دل نے اس کی تصدیق کر دی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ عرض کرتے ہیں۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

بلکہ غور کریں تو قرآن حکیم میں معراج شریف کا مقصد ہی غیبی حقائق کا مشاہدہ بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ لنریه من آیاتنا. (تاکہ ہم انہیں اپنی نشانیاں دکھائیں) مطلب یہ ہے کہ جو نشانیاں دیکھنے سے متعلق ہیں دکھائی جائیں اور جو سننے سے تعلق رکھتی ہیں۔ سنائی جائیں جیسے صریف الاقلام وغیرہ۔

جب حضور ﷺ غیب الغیب کا دیدار کر آئے عالم غیب کا مشاہدہ فرما آئے۔ جنت و دوزخ کی سیر فرما چکے' سیدنا آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں نیکوں اور بدوں کی روحوں کو ملاحظہ فرما چکے تو بتائیے باقی کیا رہا اور پھر دل مبارک کی آنکھیں اور کان متواتر بصارت وسماعت میں بھی مصروف ہیں تو یہ کہنا کہ وہ غیب نہیں جانتے یا دور کی چیز نہیں دیکھتے آواز نہیں سنتے۔ کتنا ظلم ہے۔

حضور مولانا حسن رضا خاں صاحب بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

عالم الغیب نے ہر غیب سے آگاہ کیا
صدقے اس شان کی بینائی وشنوائی کے
دیکھنے والے ہیں وہ رات کی تاریکی میں
کان میں سمع کے اور آنکھ میں بینائی کے

یعنی ہمیں تو رات کی تاریکی میں کوئی چیز سجھائی نہیں دیتی مگر حضور ﷺ گھٹا ٹوپ اندھیروں میں کان اور آنکھ جیسے اعضاء ہی کو نہیں دیکھتے بلکہ ان میں جو سننے اور دیکھنے کی طاقت ہے۔ اسے بھی ملاحظہ فرماتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور جان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سننا دیکھنا دائمی ہے۔ (جیسا کہ اوپر گزرا) بلکہ ماضی' حال اور مستقبل کے زمانے ہر وقت دست بستہ بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے ہیں۔ یعنی ایک ہی آن میں ہر دور کو ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ بلکہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ جنت میں اپنے آگے آگے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جوتیوں کی اواز سننا اسی قبیل سے ہے۔ علامہ کاظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بلال رضی اللہ عنہ میں نے جنت میں اپنے آگے تیری جوتیوں کی آہٹ سنی ہے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنت میں اس وقت نہ تھے۔ مگر زمین کی آواز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنی۔ تب بھی حضور علیہ السلام کے لیے دور کی آواز سننا ثابت ہوا۔ اگر قیامت کے بعد ان کے چلنے کی آواز مراد ہو تو آواز پیدا ہونے سے پہلے سننا ثابت ہو گا۔ یہ پہلے سے بھی زیادہ کمال کا موجب ہے یا یوں کہو کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ زمین پر بھی تھے اور حضور علیہ السلام کی غلامی کے طفیل اس وقت جنت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چلے۔ جس کی آواز حضور علیہ السلام نے سنی۔ تب بھی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے دور کی آواز سننا ثابت ہوا۔ اگر قیامت کے بعد ان کے چلنے کی آواز مراد ہو تو آواز پیدا ہونے سے پہلے سننا ثابت ہوگا۔ یہ پہلے سے بھی زیادہ کمال کا موجب ہے یا یوں کہو کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ زمین پر بھی تھے اور حضور علیہ السلام کی غلامی کے طفیل اس وقت جنت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چلے جس کی آواز حضور علیہ السلام نے سنی تو حضور علیہ السلام کے غلاموں کے لیے بیک وقت دو جگہ موجود ہونا ثابت ہوا۔ جس کے غلاموں کی یہ شان ہو ان کے آقا کی شان کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ اب آخر میں ایک حدیث شریف پیش کرتا ہوں۔

"میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۔ (یعنی میں اس وقت بہترین صورت میں تھا جب دیدار باری ہوا) اس نے مجھ سے پوچھا۔ اوپر والی جماعت یعنی فرشتے کس چیز میں بحث کر رہے ہیں' میں نے عرض کیا' تو ہی بہتر جانتا ہے پھر خدائے پاک نے اپنی فیض رسانی کی ہتھیلی میرے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی تو میں نے اس کی ٹھنڈک اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان محسوس کی فعلمت ما فی السموت والارض. (تو مجھے ان تمام چیزوں کا علم حاصل ہو گیا جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔" (مشکوٰۃ شریف)

7۔ انبیائے کرام علیہم السلام جہاں چاہیں تشریف لے جائیں

اللہ ذوالجلال کے نبی اور رسول اپنی قبروں میں معاذ اللہ پابند نہیں بلکہ جہاں چاہیں تشریف لے جا سکتے ہیں اور جسے چاہیں اپنے جمال جہاں افروز کا جلوہ دکھا سکتے ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام وصال کے بعد اپنے آقا و مولا علیہ التحیۃ والثناء کے استقبال کے لیے مسجد اقصیٰ اور آسمانوں پر جانا دلیل واضح ہے جس کا انکار ممکن نہیں۔

مسلم شریف کی متعدد احادیث کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کو رسوم حج ادا کرتے مشاہدہ فرمایا اور ان کے حلیے بیان فرمائے۔

8۔ بزرگوں کا ایک ہی وقت میں کئی جگہ موجود ہونا

معراج شریف کا واقعہ اس عقیدے کی وضاحت بھی کرتا ہے کہ اللہ کے پاک بندے ایک ہی وقت میں کئی جگہ رونق افروز ہو سکتے ہیں۔ دیکھیے حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے بھی دیکھا۔ بیت المقدس میں بھی اور چھٹے آسمان پر بھی۔ حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ثابت ہوا۔ شھود الجسم الواحد فی مکانین فی ان واحد.

یعنی ایک مقدس جسم بیک وقت دو (یا زیادہ) مقامات پر حاضر ہو سکتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ قبر میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے۔ آپ کی صرف روح نہیں تھی۔ یونہی مسجد اقصیٰ اور یونہی آسمان پر ورنہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ میں نے ان کی روح دیکھی۔

سوچئے جب ایک عزرائیل علیہ السلام بلکہ ان کی پارٹی کا ہر فرشتہ قبض روح کے وقت ہر مردے کے پاس پہنچ جاتا ہے تو انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے کیا مشکل اور کیوں شرک ہوگا۔

9۔ حضور ﷺ حاجت روا ہیں

تفسیر روح البیان شریف میں ہے کہ حضور سید عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم سدرہ سے آگے بڑھے تو جبریل امین علیہ السلام سے فرمایا۔ یا جبرائیل ھل لک من حاجۃ الی ربک. (اے جبریل! کیا رب کی بارگاہ میں عرض کرنے کے لیے تمہاری کوئی حاجت ہے۔)

حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا محمد صل اللہ ان ابسط جناحی علی الصراط لامتک حتی یجوز واعلیہ (یا رسول اللہ آپ اللہ سے میرے لیے یہ سوال کریں کہ قیامت کے دن آپ کی امت پل صراط سے گزرے تو میں ان کے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھا دوں تا کہ وہ (آسانی سے) گزر سکیں۔

اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ نے اسی لیے شہنشاہ کائنات علیہ افضل الصلوات والتسلیمات کی بارگاہ میں عرض کیا

؎

پل سے اتارو راہگذر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

اگر خداوند کریم سب کی ایک جیسی مانتا ہو تو اس سوال و جواب کا کیا مقصد رہ جائے گا۔ کتنی بار ایسا ہوا کہ جبریل دعا کرانے کے لیے سدرۃ المنتہیٰ سے اتر کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔ (جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے)

10۔ محبوبان خدا بعد از وصال بھی کام آتے ہیں

معراج شریف کی رات میں پہلے پچاس نمازوں کا حکم ہوا۔ بعد میں جناب موسیٰ علیہ السلام کے بار بار عرض کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بار بار رب تعالیٰ کی بارگاہ میں تخفیف کے لیے حاضر ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ آخر میں صرف پانچ نمازیں رہ گئیں۔ (اور ثواب وہی پچاس کا) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وصال سے ہزاروں سال بعد امت محبوب علیہ الصلوٰۃ و سلام کی امداد فرمائی۔ اور ان کی کوشش سے وہ کچھ ہوا جو دنیا کے سب لوگ مل کر بھی نہ کرا سکتے۔ حضرت مولانا مہر الدین رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث حزب الاحناب چند سال پہلے حج کے لیے گئے تو مکہ معظمہ میں علمائے نجد سے ان کا مناظرہ نما تبادلہ خیال ہوا۔ عنوان یہی تھا کہ کیا اللہ والے دنیا سے جانے کے بعد بھی امداد کر سکتے ہیں۔ مولانا مرحوم نے یہی دلیل دی اور فرمایا عملی طور پر تم بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہو۔ اسی لیے پانچ نمازیں پڑھتے ہو۔ جو نہیں مانتا اسے پچاس نمازیں پڑھنی چاہئیں۔ اس کا جواب ان سے نہ بن پڑا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عرض کرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بار بار رب اکرم جل مجدہ کی بارگاہ میں حاضر ہونا آپ کے محبوب ترین مقرب ترین اور مختار ترین ہیں۔ دوسرے الفاظ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب چاہیں' جتنی بار چاہیں حاضر ہو سکتے ہیں۔

* * *

امام اعظم اور علم حدیث

غلام مصطفیٰ مجددی ایم۔ اے

غیر مقلدین حضرات کے نزدیک حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہم علم حدیث میں بالکل نابلد ہیں اس طرز فکر پر غیر مقلدین کے مقتدر عالم جناب داؤد غزنوی صاحب نے بھی اظہار افسوس کیا ہے، کہتے ہیں۔

جماعت اہل حدیث کو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی بددعا لے کر بیٹھ گئی ہے۔ ہر شخص ابو حنیفہ کہہ رہا ہے کوئی بہت ہی عزت کرتا ہے تو امام ابو حنیفہ کہہ دیتا ہے پھر ان کے بارے میں انکی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ؟ اگر کوئی بڑا احسان کرے تو وہ ستر حدیثوں کا عالم گردانتا ہے جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطہ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد و یک جہتی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے (حضرت مولانا داؤد غزنوی ص ۱۳۲)

جناب داؤد غزنوی صاحب کے اس تبصرے کے بعد کچھ اور لکھنا فضول ہے البتہ یہ بتانا نہایت ضروری امر ہے کہ۔ امام اعظم کا علم حدیث میں کیا مقام تھا۔ اس بارے میں بھی ہم ملت اسلامیہ کے نامور ائمہ فن کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

✪ حضرت عبداللہ بن مبارک علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تم پر لازم ہے اثر کا علم حاصل کرنے کیلئے ابو حنیفہ کی صحبت میں رہو کہ انہیں سے حدیث کا معنی اور تاویل مل سکتی ہے۔ (المناقب ص ۳۰۷)

یاد رہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارک ایک عظیم محدث تھے وہ ایک ایسے آدمی سے تحصیل حدیث کا مشورہ کیسے دے سکتے ہیں جو حدیث کو نہیں جانتا۔

✪ صدر الائمہ موفق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ نے الاثار کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب فرمایا (ص ۸۴)

✪ امام علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ امام اعظم نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زیادہ حدیثیں بیان فرمائی ہیں جبکہ چالیس ہزار سے کتاب الاثار کو منتخب فرمایا (مناقب الامام ذیل الجواہر المضیہ جلد ۲، ص ۴۷۴)

✪ ابن حجر ہیتمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام نے چار ہزار مشائخ کرام سے جو کہ ائمہ تابعین تھے اور دوسرے حضرات سے روایت کی ہے اس لئے علامہ ذہبی اور دوسرے علماء نے آپ کو حدیث کے حفاظ میں شمار کیا اور جس شخص نے یہ گمان کیا کہ وہ حدیث کی طرف کم توجہ دیتے اس نے تساہل یا حسد کی بنا پر کہا (الخیرات الحسان ص ۶۶)

✪ مسعر بن کدام علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ طلبت ابی حنیفه الحدیث فغلبنا میں نے ابو حنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی وہ ہم سب پر غالب تھے (مناقب الذہبی ص ۶۷)

اور سب سے بڑھ کر حضرت امام خود فرماتے ہیں کہ میرے پاس ذخیرہ حدیث کے بہت صندوق ہیں جن میں سے بہت تھوڑا حصہ انتفاع کیلئے نکالا ہے (المناقب از موفق) غیر مقلدین حضرات نے ابن خلدون کے حوالے سے یہ پراپیگنڈا کیا ہے کہ امام کو ستر ہزار حدیثیں یاد تھیں حالانکہ ابن خلدون نے حضرت امام کو حدیث کے کبار مجتہدین میں شمار کیا ہے اور رد و قبول کے سلسلہ میں ان کے مذہب کو قابل اعتماد کہا ہے۔ (مقدمہ ص ۳۸۴) باقی انہوں نے جو یہ کہا کہ فابو حنیفه یقال بلغت روایته الی سبعه عشر حدیثا او نحو ها۔ ابو حنیفہ سے ستر یا اس کے لگ بھگ حدیثیں مروی ہیں، اس کی ہم مختلف پہلوؤں سے تشریح کرتے ہیں۔

(۱)۔ ایک ہے اخذ حدیث یعنی حدیث حاصل کرنا اور دوسرا ہے روایت حدیث یعنی حدیث پھیلانا اور پڑھنا ابن خلدون کے قول سے روایت حدیث کی قلت ثابت ہوتی ہے اخذ حدیث کی ہرگز نہیں اور روایت حدیث میں قلیل ہونا کوئی جرم اور علم حدیث میں بے بضاعت ہونے کی دلیل نہیں علامہ ابن حجر نے کیا خوب فرمایا ہے کہ وہ مسائل کے استنباط میں مصروف تھے اس لئے ان کی روایتیں پھیل نہیں سکیں۔ جس طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایات ان کی مصروفیات کی وجہ سے کم ہوئیں یہ حضرات عوام کے مصالح میں مشغول تھے۔

اب یہ کہنا کہ حضرت صدیق اکبر، عمر فاروق، عثمان غنی، اور علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کا پایہ حضرت ابو ہریرہ یا دوسرے صحابہ کرام سے کمزور تھا بہت افسوسناک اور علم حدیث کے ساتھ کھلا مذاق ہے اسی طرح امام مالک اور امام شافعی کی روایات ان حضرات سے کم ہیں جو روایات کے پھیلانے میں فارغ تھے، اس سلسلہ میں ابو زرعہ اور ابن معین کی مثال دی جا سکتی ہے کیا کوئی ان حضرات کو امام مالک اور امام شافعی پر فوقیت دے سکتا ہے لہذا روایت حدیث میں قلیل ہونے کو اخذ حدیث میں قلیل ہونے پر قیاس کرنا بڑا تعصب ہے اور ابن خلدون کے کلام میں بہت

بڑی تحریف ہے۔ علامہ ابن خلدون خود فرماتے ہیں۔

" فقد تقول بعض المبغضين المتعسفين الی ان منهم من كان قليل البضاعه فی الحديث فلهذا قلت روايته ولا سبيل الی هذا المعتقد فی كبار الائمه کان الشريعه انما تو خذ من الكتاب والسنه"۔ بعض گمراہ دشمنوں نے یہاں تک جھوٹ باندھا ہے کہ بعض ائمہ کبار حدیث میں نااہل تھے، اسی لئے ان کی روایات کم ہیں ائمہ کبار کی نسبت یہ اعتقاد کوئی حقیقت نہیں رکھتا کیونکہ شریعت تو کتاب وسنت سے ماخوذ ہے (مقدمہ ص ۲۶۳)۔

(۲)۔ ابن خلدون نے کہا کہ امام اعظم سے سترہ یا اس کے لگ بھگ حدیثیں مروی ہیں تو یہ ان کا اپنا قول نہیں انہوں نے اسے صیغہ مجہول کے ساتھ نقل کیا ہے یعنی یقال کہ کر اس قول کے ضعف پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

(۳)۔ ابن خلدون عظیم مؤرخ تو ہیں، محدث نہیں اس لئے انہیں ائمہ کرام کی روایات کا علم کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے امام مالک کی مرویات کی تعداد موطا میں تین سو بتائی ہے، فرماتے ہیں

" و مالك رحمه الله انما صح عنده ما فی كتاب الموطا و غايتها ثلاث مائه حديث او نحوها"(مقدمہ)

اور امام احمد بن حنبل کی مرویات مسند احمد میں پچاس ہزار بیان فرماتے ہیں۔ "و احمد بن حنبل رحمه الله فی مسنده خمسون الف حديث".

حالانکہ اہل علم سے مخفی نہیں کہ یہ تعداد غلط ہے موطا شریف میں سترہ سو بیس اور مسند احمد میں تیس ہزار احادیث مروی ہیں جیسا کہ شاہ ولی اللہ علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر ابن خلدون سے امام مالک اور امام احمد کے بارے میں تساہل ہو سکتا ہے تو امام اعظم کے بارے میں کیوں نہ ہو گا نیز اس سے غیر مقلدین کی حضرت امام سے دشمنی بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے محدثین کرام کے اقوال پر اعتبار کی بجائے ایک مؤرخ کے نقل کردہ انتہائی مجہول قول کو سامنے رکھا گویا

مٹ گئی بربادی دل کی شکایت دوستو
اب گلستاں رکھ لیا ہے میں نے ویرانے کا نام

(۴)۔ امام اعظم روایت حدیث میں قلیل نہیں اس اجمال کی تفصیل دیکھنی ہو تو آپ کے بلند پایہ شاگردوں اور آپ سے حدیث لینے والوں کی تعداد پر غور کرنا چاہئے حافظ محمد بن احمد بن الذہبی الشافعی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے۔

"آپ سے محدثین اور فقہا نے کثیر روایات حاصل کی ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا سکتا آپ کے اقران میں سے مغیرہ بن مقسم، زکریا بن ابی زائدہ، مسعر بن کدام، سفیان ثوری، مالک بن مغول، یونس بن ابی اسحاق اور ان کے بعد زائدہ بن شریک، حسن بن صالح، ابو بکر بن عیاش، عیسیٰ بن یونس، علی بن مسہر، حفص بن غیاث، جریر بن عبد الحمید، عبد اللہ بن مبارک، ابو معاویہ، وکیع، المحاربی، ابو اسحاق، الفرازی، زید بن ہارون اسحٰق بن یوسف الدزرق، المعافی بن عمران، زید بن احباب، سعد بن صلت، مکی بن ابراہیم، ابو عاصم النبیل، عبد الرزاق بن ہمام، حفص بن عبد الرحمٰن، عبید اللہ بن موسیٰ، ابو عبد الرحمٰن المقری، محمد بن عبد اللہ انصاری، ابو نعیم ہوذہ بن خلیفہ، ابو اسامہ، ابو یحیی الحمانی، ابن نمیر جعفر بن عون اسحٰق بن سلیمان، اور خلق خدا (مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۱۲)"

o اور علامہ شمس الدین شامی علیہ الرحمہ نے آپ سے روایت اخذ کرنے والوں کے نام درج کئے ہیں جن کی تعداد تقریباً دو سو چوبیس ہے۔ (عقود الجمان باب ۵،۴) اسی طرح خطیب بغدادی نے بھی کافی تعداد کا ذکر کیا ہے حافظ کردری علیہ الرحمہ نے صرف ایک محدث عبد اللہ بن یزید مکی علیہ الرحمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت امام سے نو سو احادیث مبارکہ حاصل کی ہیں۔ (مناقب کردری ص ۴۹۸)

پھر آپ سے پندرہ مسانید منقول ہیں جن میں چار کو ان کے عظیم تلامذہ نے بلاواسطہ جمع کیا علامہ زاہد کوثری نے امام دار قطنی اور ابن شاہین کے حوالے سے لکھا ہے کہ خطیب بغدادی کے پاس بھی دار قطنی اور ابن شاہین کی مسند ابی حنیفہ تھیں یہ دو مسندیں ان پندرہ کے علاوہ ہیں (امام اعظم اور علم حدیث حوالہ تقدمہ نصب الرایہ ص ۳۸۹) ان مسانید کے علاوہ امام ابو یوسف کی کتاب الخراج، عبد الرزاق کی مصنف، ابن ابی شیبہ کی مصنف اور امام محمد کی موطا میں ہزاروں روایات آپ سے منقول ہیں پھر اپنی کتاب الآثار جس کو چالیس ہزار احادیث سے منتخب فرمایا ہے ان حقائق کے ہوتے ہوئے بھی کوئی سترہ روایات کی رٹ لگائے تو تاریخ حدیث کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

(۵)۔ امام اعظم کے پاس اگر سترہ احادیث کا ذخیرہ ہوتا تو بڑے بڑے محدثین اور نادر روزگار فقہا چند دن کے بعد آپ سے منہ موڑ لیتے جبکہ اس کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ امام بخاری کے استاد حضرت مکی بن ابراہیم نے اپنے اوپر سماع حدیث کیلئے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درس کو لازمی قرار دیا تھا (المناقب موفق جلد ۱ ص ۲۰۳) اور حافظ ابن البر نے امام وکیع کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت امام سے بہت زیادہ سماع کیا ہے۔

امام اعظم کی ثقاہت غیر مقلدین حضرت امام اعظم کو ضعیف کہتے ہیں دلیل یہ کہ امام بخاریؒ نے

اپنی کتاب الضعفا میں نقل کیا ہے۔ یہاں ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ جب آدمی رات کو دن کہنے پر تلا ہو اسے کون روک سکتا ہے جس عظیم انسان نے صحابہ کرام سے احادیث لی ہوں تابعین کی کثیر تعداد کو دیکھا ہو بلکہ خود اس طبقہ میں نمایاں ترین مقام کا حامل ہو جسکے زہد و تقوی خلوص و احتیاط کی اس کے جلیل القدر معاصرین نے گواہی دی پھر سب سے بڑھ کر جس کی بشارت خود سرور عالم مخبر صادق ﷺ نے دی ہو اور اس کو بخاری اور مسلم نے اپنے صحاح میں درج کیا ہو اگر وہ بھی ضعیف ہے تو غیر مقلدین کہاں سے ثقہ ہو گئے۔

باقی رہ گئی امام بخاری کی بات تو ہم ان کی جلالت علمی اور ثقاہت فکری کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے کس بنیاد پر حضرت امام کا ذکر کتاب الضعفا میں کیا یہی نا کہ۔"کان مرجبا سکتو عن روایته و عن حدیثه"۔ وہ مرجی تھے اور لوگوں نے ان سے روایت حدیث لینے سے سکوت کیا (معاذاللہ) حضرت امام پر مرجئی ہونے کا الزام لگانا اتنا غلط ہے کہ دلیل کی بھی کوئی ضرورت نہیں خود امام نے اپنی مشہور کتاب فقہ اکبر میں ارجا کی تردید فرمائی اور علامہ مرغانی نے بھی آپ کا قول لکھا ہے کہ "اھل الارجاء اللذین یخالفون الحق فکانو ا بالکوفه اکثرو کنت اظهر هم بحمد الله"۔ کوفہ میں مرجئی کثرت سے رہتے تھے جو حق کے خلاف تھے اور میں ان سے مناظرے میں جیت جاتا تھا (کشف الاسرار۔ حوالہ مناقب الامام الاعظم جلد ۱ ص ۹) علامہ عبد الکریم شہر ستانی شافعی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "فلایبعد ان اللقب انما لزمه من فریقی المعتزله والخوارج"۔ بعید نہیں کہ امام صاحب پر یہ الزام معتزلہ اور خوارج نے ہی دیا ہو (الملل والنحل جلد ۱ ص ۷۹) اسی طرح شرح مواقف اور عقود الجواہر وغیرہ میں اس کی سخت تردید ہے لہذا کہا جا سکتا ہے کہ امام بخاری سے تسامح ہوا ہے علاوہ ازیں غیر مقلدین حضرات کے الزام کا تجزیہ ہم یوں کرتے ہیں کہ اگر حضرت امامؒ کے ارجاء کی وجہ سے آپ کی روایت پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی تو یہ الزام امام بخاری پر بھی عائد ہو سکتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنی صحیح میں تقریبا سولہ راویوں سے روایت لی ہے جو مرجئی ہونے میں مشہور تھے (تہذیب التہذیب میں اس کی تفصیل موجود ہے) نیز چار راوی نصب کے علمبردار تھے تقریبا ستائیس شیعہ پچیس قدری چار خارجی اور چار جہمی ہیں (یہ کتاب المعارف اور المیزان الاعتدال میں دیکھا جاسکتا ہے) صحیح بخاری کے ان رواۃ کی بنا پر کہا گیا ہے کہ اس میں بھی ضعیف روایات درج ہیں یہی حال مسلم کا ہے علامہ علی قاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

امام بخاری کے چار سو پینتیس راویوں میں سے ۸۰ راوی ضعیف ہیں اور مسلم کے چھ سو بیس راویوں میں ایک سو ساٹھ راوی ضعیف ہیں کذاذکرہ السخاوی شرح الفیہ العراقی (مصطلحات اہل الاثر علی شرح نخبہ الفکر)۔

اور محقق علی الاطلاق۔ علامہ ابن ہمام علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے۔

جس نے کہا کہ احادیث میں سب سے زیادہ صحیح وہ حدیث ہے جو مسلم و بخاری میں ہے یا مسلم و بخاری کی شرطوں پر کسی اور نے روایت کی یہ قول بلا دلیل ہے اس کی تقلید جائز نہیں۔۔۔۔ کیونکہ بخاری و مسلم میں کثرت سے ایسی روایات ہیں جن کے راوی جرح سے نہیں بچ سکتے (فتح القدیر باب النوافل جلد ۱)۔

اب ائمہ فن کی ان تصریحات کی موجودگی میں غیر مقلدین کا یہ کہنا ہے کہ ہم تو بس بخاری و مسلم کو قبول کریں گے۔ ان سے روایت لاؤ بڑے رحم دل واقع ہوں تو کہتے ہیں چلو دوسری صحاح ترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ اور نسائی سے اخذ کر لو سوچنا چاہیے جب بخاری و مسلم کا یہ حال ہے تو باقی کیسے ضعیف روایات سے محفوظ ہو سکتے ہیں دریں حالات اگر صحاح ستہ کو صحیح روایات کا مجموعہ کہا گیا تو صرف اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ ان میں صحیح روایات کی کثرت ہے یہ نہیں کہ ان میں ضعیف روایات موجود ہی نہیں۔

دوسری طرف جس امام جلیل اور مجتہد عظیم کو ضعیف کہا جاتا ہے۔ اس کے پاس ضعیف روایات لینے کا ذریعہ ہی کوئی نہیں وہ یا تو صحابہ سے روایت لیتے ہیں جیسا کہ امام سیوطی علیہ الرحمہ نے اسناد لکھی ہیں مثلاً

(۱)۔" عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس ابن مالك یقول سمعت رسول الله ﷺ یقول طلب العلم فریضة علی کل مسلم" (تبیض الصحیفہ)

(۲)۔" عن یحی بن قاسم عن ابی حنیفه سمعت عبدالله بن ابی او فی یقول سمعت رسول الله ﷺ من بنی الله مسجد ا و لو کمفحض قطاه بنی الله له بیتا فی الجنته" (ایضا)

صحابہ کرام سے روایت حاصل کرنا حضرت امام کا وہ اعزاز ہے جو ان کے بعد معاصر محدثین حضرت امام مالک وغیرہ کو بھی حاصل نہیں۔

یا پھر تابعین کرام کی کثیر جماعت سے روایت لیتے ہیں جن کی شان و عظمت صحیح حدیث سے ثابت ہے یہاں یہ نہ کہا جائے کہ امام نے حضرت امام مالک سے بھی روایت لی ہے۔ جیسا کہ علامہ شبلی نعمانی جیسے مورخ نے بھی کہہ دیا ہے (سیرت النعمان ۵۲)

کیونکہ حضرت حافظ عسقلانی نے اسے قبول نہیں کیا فرماتے ہیں" لما یثبت روایتہ ابی حنیفہ عن مالک"، بلکہ حضرت امام مالک کا حضرت امامؒ کے شاگرد حضرت محمد سے استفادہ ثابت ہے امام محمد نے سماع حدیث کیلئے تین سال امام مالک کے پاس بسر کیے اس دوران امام مالک نے ان سے امام اعظمؒ کے اصول وقواعد حاصل کیے یہی سبب ہے کہ آپ کی ترتیب کردہ دس ہزار حدیثوں پر مشتمل موطا سترہ سو بیس حدیثوں پر رک گئی جن میں چھ سو مسند دو سو بائیس مرسل چھ سو تیرہ موقوف، روایات اور دو سو پچاس تابعین کے اقوال ہیں (مصفی شرح موطا از شاہ ولی اللہ) حضرت عبد اللہ بن داود کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امامؒ سے پوچھا کہ آپ نے تابعین کرام میں سے کن کن کی صحبت سے فیض اٹھایا آپ نے فرمایا قاسم، طاؤس، عکرمہ، مکحول، عبد اللہ بن دینار، حسن بصری، عمرو بن دینار، ابو الزبیر، قتادہ، ابراہیم، شعبی، نافع واشالھم یعنی اور ان جیسوں کی (مسند ابو حنیفہ کتاب الفضائل)۔

بتایئے ان بزرگان دین میں سے کون ہے جس کی جناب سے آپ کو ضعیف روایت کی توقع ہے اسی لئے حضرت امام کی روایت کی ثقاہت پر امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمہ نے کیا خوب تبصرہ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل فرمایا کہ میں نے ابو حنیفہ کی تین مسانید کا مطالعہ کیا میں نے دیکھا کہ امام ابو حنیفہ ثقہ اور تابعین کے سوا کسی اور سے روایت نہیں کرتے جن کے حق میں حضور ﷺ نے خیر القرون ہونے کی گواہی دی ہے جیسے علقمہ، عکرمہ، عطا، مجاہد اور حسن بصری وغیرہ امام اعظم اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان میں سب راوی عدل کے مالک ثقہ اور بزرگ ہیں جن کی طرف کذب کی نسبت نہیں کی جا سکتی (میزان الشریعہ الکبریٰ جلد ص ۶۸)

حضرت محدث کبیر عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں

روی الاثار عن نبل ثقات
غزار علم مشیختہ حصیفہ

یعنی آپ نے کتاب الآثار میں وسیع علم والے ثقہ اور معزز بزرگوں سے روایت لی ہے۔ (المناقب از موفق) حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں جب بھی کسی مسئلہ میں اختلاف ہوا اور میں نے پورے تدبر سے کام لیا تو حضرت امام کا ہی مسلک نجات دہندہ ثابت ہوا احادیث کی طرف نظر دوڑائی تو وہ حدیث صحیح کی بھی زیادہ ہی بصیرت رکھتے تھے (الخیرات الحسان) حضرت انسؓ کے شاگرد امام اعمش علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ تم نے حدیث وفقہ کے کنارے لے لئے ہیں (ایضا) اور وکیع علیہ الرحمہ کا بیان نہایت جامع ہے۔

ابو حنیفہ خطا کس طرح کر سکتے ہیں کہ ابو یوسف اور محمد اور زفر جیسے اصحاب قیاس اور اہل اجتہاد ان کے ساتھ ہیں اور یحی بن زکریا، حفص بن غیاث اور حبان ومندل جیسے حفاظ حدیث اور اصحاب معرفت ان کے ساتھ ہیں اور قاسم بن معین جیسا ادیب اور ماہر لغات ان کے ساتھ ہے، اور داؤد طائی اور فضیل بن عیاض جیسے خدا ترس ان کے ساتھ ہیں۔۔۔۔۔ جو شخص اس طرح کی بات کہے وہ حیوان ہے۔ (عقود الجواہر) حضرت یحی بن معین علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے ابو حنیفہ سے صالحوں کی ایک جماعت نے روایت لی ہے اور وہ روایت میں سچے ہیں (اخبار ابی حنیفہ ص ۸۰) امام زفر فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے محدثین حضرت امام کے پاس آتے اور مشتبہ احادیث کے بارے میں آپ سے پوچھا کرتے تھے (المناقب از موفق ص ۱۴۸ جلد ۲)

آخر میں ہم امام بدر الدین کا ارشاد لکھتے ہیں

" میں کہتا ہوں کہ یحی بن معین سے امام کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا ثقہ ہیں میں نے کسی کو نہیں سنا کہ آپ کو ضعیف کہا ہو یہ شعبہ بن حجاج آپ کو کہتے ہیں کہ آپ حدیث بیان کریں اور شعبہ اور سعید آپ کو روایت کیلئے کہتے ہیں اور یحی بن معین نے بھی کہا ہے کہ " کان ابو حنیفہ ثقہ من اھل صدق ولم یتھم بالکذب و کان مامونا علی دین اللہ صدوقا فی الحدیث"

ابو حنیفہ ثقہ ہیں اہل صدق میں سے ہیں ان پر کذب کی تہمت نہیں وہ دین خدا میں اور حدیث میں سچے ہیں، عبد اللہ بن مبارک، سفیان، اعمش، عبد الرزاق، حماد بن زید اور جید ائمہ کبار نے اور ائمہ ثلاثہ مالک وشافعی واحمد وغیرہ نے ان کی تعریف کی ہے اس سے دار قطنی کا ستم اور تعصب اجاگر ہو گیا پس وہ کون ہے جو امام اعظم کو ضعیف کہے وھو مستحق التضعیف وہ خود اس تضعیف کا حقدار ہے۔ کہ اس نے اپنی مسند میں سقیم و معلول ومنکر وغریب و موضوع روایات نقل کی ہیں اس لئے وہ اس قول کا مصداق ہے جب لوگ امام کی عظمت کو نہ پہنچ سکے تو تب ان کے دشمن بن گئے مثل سائر میں ہے کہ سمندر مکھی کے گرنے سے گدلا نہیں ہوتا اور کتوں کے پینے سے ناپاک نہیں ہوتا" وحدیث ابی حنیفہ صحیح " اور ابو حنیفہ کی حدیث صحیح ہے امام تو امام ہیں موسیٰ بن ابی عائشہ کوفی ثقات میں سے ہے اور صحیحین کے راویوں میں سے ہے اور عبد اللہ بن شداد تابعین اور ثقات میں سے ہے (بنایہ شرح ہدایہ جلد ۱ ص ۷۰۹)

امام اعظم اور اکتساب حدیث : یہ الزام اکثر سننے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ حدیث کا لحاظ

نہیں رکھتے حدیث کے مقابلے میں اپنا قول معتبر سمجھتے ہیں یہ کتنا بڑا ظلم ہے اور یہ ظلم صدیوں سے چلا آ رہا ہے حضرت امام کے دور میں ہی یہ فتنہ عام ہوا تو حضرت امام باقرؒ نے آپ سے گفتگو فرمائی آپ نے انہیں اپنے بارے میں مطمئن کر دیا (الانتقاء از قرطبی ص ۱۲۴) ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق حضرت مقاتل بن حیان اور حماد بن مسلمہ وغیرہ آپ کے پاس آئے اور کہا کہ آپ دین میں کثرت سے قیاس کرتے ہیں اور آپ نے حضرات علماء سے زوال تک بحث کی اور ثابت کر دیا کہ ان کا مذہب قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کی اجماع کا آئینہ دار ہے تو سب حضرت امام کے سر اور گھٹنوں کو چوم کر یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ ہم نے لاعلمی میں آپ کی برائیاں کیں آپ معاف کر دیں آپ نے فرمایا اللہ ہماری اور آپ کی مغفرت فرمائے (المیزان از شعرانی ص ۶۶) مامون رشید کے دور میں کچھ محدثین نے آپ کے بارے میں فتنہ کھڑا کیا تو مامون رشید نے ان کو لاجواب کیا اور پھر کہا اگر ابو حنیفہ کے اقوال کتاب اللہ اور رسول اللہ کے خلاف ہوتے تو ہم ان پر عمل نہ کرتے (المناقب از موفق جلد ۲ ص ۵۵) گویا شروع سے ہی حاسدین اور معاندین آپ کے خلاف برسر پیکار ہیں جبکہ علمائے حق تحقیق و جستجو اور عقل سلیم کی روشنی میں آپ کے تفقہ فی الدین کا جائزہ لے کر آپ کے علم و فضل کا اعتراف کرتے رہے۔ ابو الاسود نے کیا خوب کہا ہے۔

حسد و الفتی اذا لم ینالو سعیہ
فالناس اعداء لہ و خصوم

آپ امت محمدیہ کے عظیم فقیہہ ہوئے اور فقاہت بغیر حدیث کے معتبر نہیں جیسا کہ حضرت امام محمد علیہ الرحمہ نے فرمایا "لا یستقیم الحدیث الا بالرای ولا یستقیم الرای الا بالحدیث"، فقہ کے بغیر حدیث درست نہیں اور حدیث کے بغیر فقہ (کشف الاسرار شرح منار الانوار نسفی ص ۵ جلد ۱) یہی وجہ ہے کہ محدثین جن کو فقہ میں تبحر اور عبور نہیں تھا ان سے ایسے ایسے لطائف مروی ہیں کہ خدا کی پناہ حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ کی صحیح کے ابواب اور ان کے تحت احادیث کا اندراج دیکھ کر آپ کی فقاہت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے محدثین کرام صرف احادیث کو جمع کرتے چلے جاتے ہیں ان کے احکام اور ناسخ و منسوخ وغیرہ کا کوئی ادراک نہیں ہوتا جبکہ فقہا ہر حدیث کو خوب جانتے ہیں اور پھر امامؒ تو حدیث کے سمندر کے غواص ہیں اس لئے ہر باریک بیں، منصف مزاج اور صاحب علم کو آپ کے مذہب میں کوئی ریب نظر نہیں آتا نیز آپکا مذہب دو تہائی ملت اسلامیہ نے قبول کیا ہے جس میں نامور فقہا عظیم محدثین اور جید عرفا علیہم الرحمہ شامل ہیں جن مسائل میں آپ پر الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ حدیث کے خلاف حکم دیتے ہیں وہ حدیث ان تین حالتوں سے خالی نہ ہو گی

منسوخ ہو گی: حضرت امام منسوخ حدیث پر عمل نہیں کرتے ناسخ پر عمل کرتے ہیں تو یہ عمل حدیث پر ہی ہوا، ظاہر ہے حدیث کو منسوخ کرنا حدیث کا ہی کام ہے۔ امام اپنے قول سے اسے منسوخ نہیں کر سکتے پھر کیسے کہا جا سکتا ہے کہ امام کا عمل حدیث پر نہیں اس کی واضح مثال تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز میں رفع یدین ہے۔ جو حدیث صحیح سے منسوخ ہو چکا ہے غیر مقلدین حضرات منسوخ احادیث پر عمل کرتے ہیں اور الٹا امام کے خلاف محاذ کھڑا کرتے ہیں کہ ابو حنیفہ حدیث پر عمل نہیں کرتے خدارا انصاف! عمل تو خود آپ نہیں کرتے اگر منسوخ احکام پر عمل کرنا ہی آپ کا دین ہے تو سود و شراب کا فتویٰ بھی دے دو اور ادھر ناسخ احادیث پر عمل کی وجہ سے حضرت امام کی مخالفت کرتے ہو تو حضور ﷺ کی بھی اس طرح مخالفت کرو کیونکہ انہوں نے آپ کے پسندیدہ فعل کو ختم کر دیا وہ ناسخ احادیث ترمذی، ابو داؤد، نسائی، مصنف ابن ابی شیبہ، مسند احمد، السنن الکبریٰ، بیہقی، شرح معانی آثار، جامع المسانید، مصنف عبد الرزاق، مسند ابی یعلی، دار قطنی، معجم طبرانی میں موجود ہیں ان سب سے بڑھ کر بخاری و مسلم نے بھی روایت کی ہیں۔ مثلاً بخاری جلد اول میں جو حضرت ابو حمید ساعدی صحابی نے لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کی نماز سکھائی ہے، اس میں کہیں بھی اس رفع یدین کا ذکر نہیں اسی طرح مسلم نے عبادہ بن زبیرؓ سے مروی جو حدیث لی ہے اس میں رفع یدین کو بدکے ہوئے گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دی جاتی ہے اور حکم دیا گیا ہے اسکنو فی الصلوۃ نماز میں سکون کرو (مسلم جلد ۱ ص ۱۸۱) پھر خلفاء راشدین اور صحابہ کبار، عبد اللہ بن مسعود، ابو ہریرہ، ابن عمر، حضرت ابن عباسؓ کی مخالفت کرو کہ وہ سب ناسخ حدیث پر عمل کرتے ہوئے رفع یدین نہیں کرتے تھے اسی طرح عظیم تابعین، ابو اسحٰق شعبی، ابراہیم نخعی اسود بن یزید علقمہ قیس بن ابی حازم کا بھی یہی مذہب ہے انہی حقائق کو دیکھتے ہوئے حضرت امامؒ نے عمل فرمایا اور یہ بھی کہ ترک رفع یدین پر امام مالک کا بھی منقول ہے (المدونہ الکبریٰ) نیز اسی پر اہل مدینہ و اہل کوفہ کا اجماع ہے (بدایہ المجتہد جلد ۱ ص ۹۷ ترمذی جلد ۱ ص ۵۹) بلکہ اور بھی فقہا کا اجماع ہے جیسا کہ ابو بکر بن عیاش علیہ الرحمہ نے فرمایا "ما رایت فقیھا قط یفعلہ یرفع یدیہ فی غیر التکبیرۃ الاولی" (شرح معانی الآثار طحاوی ص ۱۵۶ جلد ۱) اب اہل انصاف پر خوب روشن ہو گیا ہو گا کہ اس عمل میں حضرت امام تنہا نہیں اور اسی طرح آمین بالجہر، فاتحہ خلف الامام، طلاق ثلاثہ کے وقوع وغیرہ مسائل پر آپ کا مذہب آیات و احادیث سے مبرہن و منور ہے۔

نامقبول ہوگی: حضرت امام رضی اللہ عنہ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے جو کسی سقم کی بنا پر نامقبول ہو اس کے برعکس صحیح و محکم حدیث پر عمل کرتے ہیں مثلاً آپ تازہ کھجوروں کی تجارت چھوہاروں کی بدلے جائز قرار دیتے ہیں اہل بغداد نے حدیث بیان کی حضور ﷺ نے تازہ کھجوروں کو خشک کھجوروں کے بدلے فروخت کرنے سے روکا ہے امام نے فرمایا یہ حدیث زید بن عیاش پر موقوف ہونے کی وجہ سے نامقبول ہے اس کے برعکس صحیح احادیث سے یہ تجارت جائز ٹھہرتی ہے (فتح القدیر جلد ۵ ص ۲۹۶)

خصوصیت پر مبنی ہوگی: حضرت امام رضی اللہ عنہ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے جو حضور ﷺ کے ساتھ مخصوص ہوگی مثلاً غائبانہ نماز جنازہ امام کے نزدیک جائز نہیں کیونکہ اس کا تعلق صرف حضور ﷺ کے ساتھ ہے بخاری کی کتاب الجنائز میں نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ کا ذکر ہے تو شارحین نے وضاحت کی ہے کہ صحابہ کرام کے نزدیک نجاشی کا جنازہ حضور ﷺ کی نگاہ سے اوجھل نہیں تھا (عینی جلد ۴ ص ۲۵) اس عمل کے بعد کوئی حدیث مرفوعاً ثابت نہیں ایک حدیث سے معاویہ مزنی کی غائبانہ نماز جنازہ کا ثبوت ملتا ہے تو وہ حدیث ضعیف محض ہے اس کی مختلف اسناد میں بقیہ بن ولید، نوح بن عمر، علاء بن یزید، محبوب بن ہلال جیسے راوی ہیں جن کو ائمہ نے مدلس، منکر الحدیث متروک الحدیث اور سارق جیسے الفاظ سے یاد کیا ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ معاویہ بن معاویہ کوئی صحابی نہیں (الاصابہ ص ۴۳۸)۔

اس حدیث پر عمل نہیں کرتے یا اس کے مطابق حکم نہیں دیتے جس کو حضور ﷺ نے کسی خاص فرد کیلئے ارشاد فرمایا ہو ترمذی شریف میں ہے کہ جب غیلان بن سلمہ مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سے چار کو اختیار کرنا چاہو کر لو امام اعظم کا مذہب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی کی چار سے زیادہ بیویاں ہیں تو پہلی چار کے ساتھ اس کا نکاح صحیح اور ان کے بعد والیوں کا باطل ہے معترضین کہتے ہیں کہ یہاں ان کا مذہب حدیث کے خلاف ہے حالانکہ امام نے یہاں قرآن حکیم کی آیت کو پیش نظر رکھا ہے "فانکحو اما طاب لکم من النساء مثنی و ثلاث و رباع"۔ یعنی نکاح میں لاؤ جو عورتیں خوش آئیں۔ دو دو تین تین چار چار (سورہ النسا)

قرآن حکیم سے ثابت ہوا کہ پانچویں اور چھٹے درجے کی عورت کا نکاح باطل ہے۔ اب رہا حدیث ترمذی کا معاملہ تو وہ یا تو قرآن کے اس حکم سے منسوخ ہے یا حضور ﷺ نے اپنے خداداد اختیار سے اسے اس فرد کیلئے مخصص کر دیا ہے۔

نتیجۂ فکر: اگر نظر انصاف ان تمام پہلوؤں کو سامنے رکھے اور حضرت امامؒ کی تعلیمات کا جائزہ لے تو اسے معلوم ہوگا کہ امامؒ کی کوئی بات قرآن و حدیث اور اتباع صحابہؓ سے گریزاں نہیں۔ اس پر ہم جید ائمہ کرام کی گواہی بھی نقل کر دیتے ہیں پہلے امامؒ کا اپنا ارشاد سنئے:

"لا نقیس الا عندالضرورة الشدیده و ذالک انا ننظر اولا فی دلیل تلک المسئلة من الکتاب و السنة وا قضیة الصحابه فان لم نجد دلیلا قسنا حینئذ مسکوتا عنه علی منطوق به بجامع اتحاد العله بینهما".

ہم قیاس نہیں کرتے مگر شدید ضرورت کے وقت ہم مسئلہ کی دلیل کتاب اللہ، رسول اللہ کے ارشادات اور صحابہ کے قضایا سے تلاش کرتے ہیں (المیزان از شعرانی ص ۶۵) نیز فرماتے ہیں لوگوں پر حیرت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں قیاس پر فتوی دیتا ہوں میں تو اثر پر فتوی دیتا ہوں (الخیرات الحسان)

باقی رہ گئی تابعین کی بات تو آپ فرماتے ہیں ھم رجال و نحن رجال پس وہ بھی مرد ہیں اور ہم بھی مرد ہیں یعنی جسطرح ان کو اجتہاد کا حق ہے ہمیں بھی حق ہے۔

علامہ ابو محمد علی ابن حزم اندلسی فرماتے ہیں کہ اصحاب ابو حنیفہ اس پر متفق ہیں کہ مذہب ابو حنیفہ میں ان ضعیف الحدیث اولی عندہ من القیاس والرای ضعیف حدیث بھی قیاس اور رائے سے بہتر ہے (مناقب الامام ابی حنیفہ ص ۲۱)

شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں کہ حدیث مرسل کے بارے میں امام مالک ابو حنیفہ اور امام احمد وغیرہ کا مذہب ہے کہ اسے بطور دلیل پیش کیا جا سکتا ہے۔ (مقدمہ شرح مسلم جلد ا ص ۱۷)

حضرت فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں اگر مسئلہ میں صحیح حدیث ملتی ہے تو ابو حنیفہ اس کو لیتے ہیں اور اگر صحابہ یا تابعین کا قول ہو تو یہی صورت ورنہ قیاس کرتے ہیں اور قیاس اچھا کرتے ہیں (الخیرات الحسان فصل ۱۱)

علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ کے اصحاب کا اتفاق ہے کہ ان کے نزدیک ضعیف حدیث قیاس سے بہتر ہے انہوں نے سفر میں کھجور کی نبیذ سے وضو کرنے کو قیاس اور رائے پر مقدم کیا ہے اور ضعیف حدیث کی وجہ سے دس درہم سے کم چوری پر ہاتھ کاٹنے سے روکا اور آثار صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم رکھتے ہیں یہی امام احمد کا طریقہ ہے اور سلف کے نزدیک ضعیف حدیث کی وہ اصطلاح نہیں جو متاخرین کی ہے جسکو متاخرین حسن کہتے ہیں اس کو

سلف نے ضعیف کہا ہوتا ہے (اعلام الموقعین ص ۷۷ جلد۱) اب ائمہ فن کی تشریحات کی روشنی میں حضرت امام کے اساسی اصولوں کا ذکر کرتے ہیں۔۔

1)۔ قرآن حکیم

2)۔ حدیث قولی، فعلی، و تقریری

3)۔ صحابہ کے فتاوی

4)۔ اجماع

5)۔ قیاس

6)۔ قیاس کی وہ قسم جو خفی ہوتی ہے مگر اس کا اثر قوی ہوتا ہے (مبسوط سرخی جلد ۱۰ص ۱۴۹)

7)۔ تعامل بندگان خدا

آخر میں غوث العارفین شیخ المجاہدین سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ کا ارشاد نقل کیا جاتا ہے۔

"آپ مرسل حدیث کو مسند حدیث کی طرح متابعت کے شایان جانتے ہیں اور اسکو اپنی رائے پر فوقیت دیتے ہیں۔ دوسرے اماموں کا یہ حال نہیں، باوجود اس کے کہ آپ کے مخالفین آپ کو صاحب رائے قرار دیتے ہیں ، اور ایسے الفاظ بیان کرتے ہیں جن سے بے ادبی کا اظہار ہوتا ہے۔ حالانکہ امام کے زہد و تقوی اور علم و کمال کا سب کو اعتراف ہے ------ چند ناقصوں نے چند حدیثوں کو رٹ لیا ہے اور شریعت کو اسی میں محصور مانتے ہیں اور ان احادیث کا انکار کرتے ہیں جنکا انہیں علم نہیں ان کی مثال پتھر پر کیڑے کی طرح ہے وہ پتھر کو زمین اور آسمان سمجھتا ہے (مکتوب ۵۵ دفتر ۲)۔

امام اعظم اور صحاح ستہ : کوئی اسے تسلیم کرے یا نہ کرے یہ اٹل حقیقت ہے کہ صحاح ستہ میں امام اعظمؒ کی برکات موجزن ہیں اگرچہ اصحاب صحاح نے آپ سے روایت لینے میں کمال نے نیازی کا مظاہرہ کیا ہے اور تو اور صاحب مشکوہ نے بھی ان کی روایات کی طرف توجہ نہیں لیکن کی جس چشمہ صافی سے یہ سب سیراب ہیں وہ امام اعظمؒ کے قلم سے پھوٹتا ہے اس سلسلہ میں اصحاب صحاح کی مجبوری بھی تھی کہ وہ شافعی المسلک ہونے کے ناتے اپنا مخصوص ذوق رکھتے تھے صاحب مشکوۃ بھی شافعی تھے لیکن ان لوگوں کی مسانید میں بہت سے حنفی شیوخ موجود ہیں امام بخاری علیہ الرحمہ کے مشہور استاد حضرت مکی بن ابراہیم اور عبدالرزاق بن ہمام امام اعظمؒ کے اجل تلامذہ میں سے تھے امام بخاری علیہ الرحمہ کی صحیح کا یہ بھی اعزاز ہے کہ انہوں نے ان میں ثلاثیات روایت کی ہیں یعنی ایسی روایات جن میں حضور ﷺ اور راوی کے درمیان تین واسطے ہوں اور ان روایات میں سے گیارہ روایات صرف حضرت امام مکی بن ابراہیم علیہ الرحمہ سے لی ہیں۔ گویا امام بخاری علیہ الرحمہ کو اعلی ترین سند حضور امام اعظمؒ کے فیض سے حاصل ہوئی یہاں یہ بھی عرض کردوں امام مالک علیہ الرحمہ کی روایات ثنائیات ہیں یعنی حضور ﷺ اور راوی کے درمیان دو واسطے جبکہ امامؒ کی روایت میں وحدان ہیں یعنی راوی اور حضور ﷺ کے درمیان ایک واسطہ یہ امامؒ کی ائمہ اربعہ میں خصوصی فضیلت و عظمت ہے۔ "ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشا اور فتح المغیث' میں امام سخاوی نے بھی اس پر بحث فرمائی۔

امامؒ کے نامور شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی علیہ الرحمہ ہیں امام محمد سے امام شافعی نے اتنا استفادہ کیا کہ فرماتے ہیں امن الناس علی فی الفقہ محمد بن الحسن : یعنی فقہ میں مجھ پر سب سے بڑا احسان محمد بن حسن کا ہے۔ (تاریخ بغداد جلد ۲ ص ۲۶۱)۔

امام شافعی کے شاگرد رشید احمد بن حنبل علیہ الرحمہ ہوئے (تزکرہ الحفاظ جلد ۲ ص ۳۱) امام ابن حنبل علیہ الرحمہ کے سامنے امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، علیہم الرحمہ نے زانوئے تلمذ تہ کیا جو کہ اصحاب صحاح میں سے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۷۶) امام ابن ماجہ و نسائی بھی اسی سلسلۃ الذہب سے بندھے ہوئے ہیں جس میں امامؒ صاحب کا فیضان ٹھاٹھیں مار رہا ہے کاش لوگ اس طرح بھی سوچتے کہ جس کے تلامذہ کی شوکت کا یہ عالم ہے اس استاذ اہل امام والا اور مقتدائے ارفع کی شوکت و منزلت کا کیا عالم ہو گا۔

تعارف مسانید : امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے شیوخ سے احادیث مبارکہ کو روایت کیا تو لوگوں نے آپ کے ہر شیخ کی مرویات کو الگ۔ الگ اکٹھا کر لیا اس طرح مرویات کے الگ الگ نسخے وجود میں آگئے۔ وہ نسخے مندرجہ ذیل جید فقہا کی کوشش سے اہل علم تک پہنچے۔

حافظ ابو محمد عبداللہ بن محمد البخاری، حافظ ابو القاسم طلحہ ابو الحسین محمد بن المنظر، حافظ عبداللہ اصفہانی، شیخ ابو بکر محمد بن عبدالباقی انصاری، امام ابو بکر احمد عبداللہ بن عدی جرجانی، حافظ حسن بن زیاد اللولوی، حافظ عمر بن حسن اشنانی، ابو بکر احمد بن محمد الکاعی، قاضی ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری، امام محمد بن شیبانی، امام حماد بن ابو حنیفہ، امام عبداللہ بن ابی عوام، امام حسین بن محمد بلخی، امام محمد بن حسن قدس سرہم القدس۔ مسانید امام اعظم کے ان نسخوں کو ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی متوفی ۶۵۵ھ نے جمع فرمایا، امام خوارزمی اس عظیم کاوش کی وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"میں نے ملک شام میں بعض جاہلوں کو کہتے ہوئے سنا کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت حدیث کم ہے ایک نالائق نے امام شافعی کی مسند امام مالک کی موطا اور امام احمد کی مسند کا حوالہ دے کر حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی

Muhakkik-e-Islam Research Center Islamabad

کی یہ سن کر رہی غیرت نے جوش مارا کہ میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی پندرہ مسانید کو ایک مسند کی صورت میں ترتیب دوں چنانچہ میں نے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے ابواب فقہ کو سامنے رکھ کر مسند ترتیب دی تاکہ جاہل دشمنوں کا وہم دور ہو جائے" اس مسند کے مقدمہ میں امام خوارزمی علیہ الرحمہ نے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں کیا خوب لکھا ہے کہ۔

"اجتہاد میں تمام علماء کرام سے پیش قدم، اعتقاد میں سب سے پاکیزہ، ہدایت میں سب سے واضح، طریقے میں سب سے درست، امام الائمہ، سراج ھذہ الامہ، ابو حنیفہ النعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ ہیں انہوں نے شریعت مطہرہ کے رخ روشن سے نقاب ہٹایا اور فقہ کے ماتھے پر سے ظلمت کی پرچھائیوں کو دور کیا اپنے زمانے کے اہل علم کو آگے بڑھایا جہاں قدم پھسلنے کا موقع تھا وہاں قدم جمائے اور احکامات کو مضبوط کرنے میں پوری کوشش کی۔ اب علما دریائے نعمان میں غوطے لگا لگا کر بیش بہا نعمتیں حاصل کر رہے ہیں"۔ (مسند امام اعظم مطبوعہ محمدی دہلی)

امام خوارزمی علیہ الرحمہ نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ، دو سو پندرہ احادیث مبارکہ میں دیگر ائمہ حدیث سے قطعاً منفرد ہیں اس سے بھی آپ کے اخذ حدیث اور روایت حدیث میں تبحر کا بین ثبوت ملتا ہے یہ بھی یاد رہے کی امام اعظم رضی اللہ عنہ کی مسانید حدیث کی سب سے پرانی کتابیں ہیں لہذا ان کی روایت دوسری کتابوں کی نسبت زیادہ محکم و مقدم ہونی چاہیے۔

ہمارے سامنے مسند امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وہ نسخہ ہے جو قاضی صدر الدین موسیٰ حصکفی متوفی ۶۵۰ھ نے جمع فرمایا اس نسخے کو محدث کبیر علامہ محمد عابد سندھی متوفی ۱۲۵۷ھ نے ابواب فقہ کے حساب سے مرتب کیا امام حصکفی علیہ الرحمہ کے نسخے کی حضرت امام علی قاری علیہ الرحمہ نے شرح لکھی ہے ان کے علاوہ علامہ محمد حسین بن ظہور سنبھلی علیہ الرحمہ نے بھی "تنسیق النظام" کے نام سے شرح لکھی دیگر مسانید پر بھی علمائے امت کی شروح موجود ہیں جنکی تفصیل کشف الظنون جلد دوم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

امام اعظم اور اصول حدیث: فقہ کی ترتیب و تدوین کے علاوہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے اصول حدیث بھی تشکیل دیئے جبکہ اصحاب صحاح اور ان کی تالیفات کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ ان اصول حدیث کو دیکھ کر آپ کی کتاب الآثار اور مسانید کی روایت کی ثقاہت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے وہ دور عجیب دور تھا، روافض و خوارج اور قدریہ و ناصبہ کا زور تھا ہر فریق احادیث کو اپنے نظریات کے مطابق تبدیل کر رہا تھا بہت سی موضوع روایات نے جنم لیا بلکہ امام دار قطنی کے بقول اصل احادیث موضوع احادیث میں اس طرح چھپ گئیں جیسے بیل کے کالے بالوں میں سفید بال چھپ جاتے ہیں یہیں سے روایت بالمعنی کی وبا پھوٹی، اس صورت حال میں حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اصحاب حدیث پر احسان تھا کہ آپ نے حدیث کو پرکھنے کے لئے بنیادی ضابطے تیار کئے حضرت علامہ عبد الحکیم جندی علیہ الرحمہ نے ان اصول و ضوابط کو "الجبار قتیلہ" کہا ہے، جب وہ اصول و ضوابط اصحاب حدیث نے دیکھے تو ان کو اپنی روایات اپنی ہی نظروں میں تشنہ، تحقیق دکھائی دینے لگیں اسکی تفصیل بطل الحریہ میں علامہ جندی نے لکھی ہے ذیل میں کچھ اصول و ضوابط لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ راوی حدیث کے لئے حدیث کا حافظ ہونا ضروری ہے۔

۲۔ صحابی و فقہائے تابعین کے سوا کسی اور کی روایت بالمعنی قابل قبول نہیں

۳۔ صحابہ سے روایت کرنے والی اہل تقویٰ کی ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے ایک یا دو شخص نہیں۔

۴۔ احکام میں روایت کا ایک سے زیادہ صحابہ سے منقول ہونا ضروری ہے۔

۵۔ حدیث سے اسلام کے کسی مسلمہ اصول کی مخالفت نہ ہوتی ہو نیز عقل قطعی کے خلاف نہ ہو۔

۶۔ خبر واحد قرآن کی کسی آیت پر زیادتی یا اس کے حکم عام کو مخصص نہیں کر سکتی

۷۔ خبر واحد قرآن کے خلاف ہو تو نامقبول ہوگی۔

۸۔ خبر واحد سنت مشہور کے خلاف ہو تو نامقبول ہوگی۔

۹۔ مبیح و محرم روایات میں محرم کو ترجیح ہوگی۔

۱۰۔ ایک واقعہ کے بارے میں ایک راوی امر زائد کو بیان کرتا ہے دوسرا نفی کرتا ہے تو اگر نفی کرنے والے کے پاس دلیل نہیں تو اسکی نفی نامقبول ہوگی۔ پہلے راوی کا بیان معتبر ہوگا۔ یعنی نفی کے لئے دلیل کی حاجت ہے،

۱۱۔ ایک حدیث میں حکم عام ہے دوسری میں خاص چیزوں میں اس کے خلاف حکم ہو تو حکم عام کے مقابلے میں حکم خاص کو نہ دیکھا جائے

۱۲۔ حضور کے صریح قول و فعل کے خلاف کسی صحابی کا قول و فعل نامقبول ہے کہ ہو سکتا اسے حضور کا وہ قول و فعل نہ پہنچا ہو۔ خبر واحد کے خلاف اگر آثار صحابہ ہوں تو ان پر عمل کیا جائے ہو سکتا ہے وہ خبر واحد منسوخ ہو اور صحابہ اسکے ناسخ پر عمل پیرا ہوں۔

۱۴۔ راوی کا اپنا عمل روایت کے الٹ ہو تو روایت نامقبول ہوگی

۱۵۔ متعارض روایات میں سے قریب الشاہد کی روایت لی جائے۔

۱۶۔ متعارض روایات میں کثرت ثقہ کو قلت و سائط پر ترجیح دی جائے۔

۱۷۔ حد یا کفارہ کی کوئی حدیث ایک صحابی سے ہی مروی ہونا مقبول ہوگی کہ حد کفارہ شبہات سے ساقط ہو جاتے ہیں۔

۱۸۔ جس حدیث میں اسلاف پر طعن ہونا مقبول ہو گی۔ (ملخصاً تذکرہ المحدثین ص ۸۸)

۱۹۔ خبر واحد اور مرسل کو قیاس پر فوقیت ہوگی۔

✳✳✳✳

[illegible]

خطیب بغدادی نے حضرت علی بن میمون سے روایت کی ہے کہ حضرت امام شافعی کو فرماتے سنا، میں امام ابو حنیفہ کے وسیلہ سے فیض و برکت حاصل کرتا ہوں، ہر روز ان کی قبر پر جاتا ہوں جب کوئی مشکل پیش آتی ہے دو رکعت نفل پڑھ کر ان کی قبر کے پاس کھڑا ہوتا ہوں، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں تو دعا کے بعد مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی (تاریخ بغداد، مراسلہ الحاج محمد شوکت علی)۔

آدم و ابلیس

پروفیسر
ڈاکٹر مسعود احمد

اللہ نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا --- اپنے فرشتوں سے کرایا --- اپنے سامنے کرایا --- ہم تو یہ کہتے ہیں کہ غیر اللہ کے آگے سجدہ نہ کرو ---- نبی و رسول کی تعظیم حد سے زیادہ نہ کرو --- مگر یہ کیا ہو رہا ہے؟ --- یہ کیوں ہو رہا ہے؟ عقل جواب دے --- ابلیس بھی تو اللہ سے یہی کہہ رہا تھا جو ہم کہتے پھرتے ہیں --- پھر محض اس جرم پر کہ وہ اللہ اور صرف اللہ کے آگے جھکنا چاہتا تھا ----- غیر اللہ کے آگے جھکنے کو اس کا دل نہ چاہتا تھا ------ ایسی سزا ملی کہ آج تک کسی کو ایسی سزا نہ ملی ------ سبحان اللہ یہ بھی کوئی جرم ہے! ----- پھر یہ سزا کیوں ملی؟ ----- اللہ کی نافرمانی پر ملی یا آدم کی گستاخی پر ملی؟ ------ لیکن بظاہر لغزش تو آدم (علیہ السلام) سے بھی ہوئی -- حکم ہوا اس درخت کے پاس نہ جانا --- ابلیس نے بھکا دیا ------ درخت کے قریب چلے گئے پھر جو ہوا سو ہوا ----- مگر گرفت نہ فرمائی تنبیہ فرما کر معاف کر دیا گیا ---- تو اگر لغزش ہی موجب غضب ہوتی تو آدم (علیہ السلام) کو معاف نہ کیا جاتا ----- مگر نہیں آدم (علیہ السلام) کی یہ لغزش اللہ کی جناب میں تھی اس لئے کلمات معذرت القا فرما کر معاف کر دیا گیا ----- اور ابلیس کی گستاخی اللہ کے محبوب بندے آدم (علیہ السلام) کی جناب میں تھی --- جس کو معاف نہ کیا گیا اور ذلت و خواری کا طوق ابدالآباد تک اس کی گردن میں ڈال دیا گیا ------ بے شک ابلیس نے سجدہ سے انکار کیا۔ لیکن حقیقت میں تعظیم رسول سے انکار کیا --- وہ سرکش نہ تھا ---- وہ مشرک نہ تھا ----- وہ بدعتی نہ تھا ----- وہ موحد تھا ------ وہ عابد و زاہد تھا --- تو پھر وہ کیوں مارا گیا؟ ------ بلاشبہ گستاخی رسول پر مارا گیا ------ یہ نکتہ نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، غور فرمائیں اور خوب غور فرمائیں ------

اگر وہ نافرمانی پر مارا جاتا تو قصے کو طول نہ دیا جاتا ---- اللہ کو معلوم تھا کہ اس نے کیوں انکار کیا ---- مگر پھر بھی اس سے پوچھا کہ تو تو سرکش نہ تھا پھر کیا ہوا کہ تونے سجدے سے انکار کر دیا؟ ---- ہاں یہ اس لیے پوچھا گیا کہ راز محبت عالم آشکار ہو جائے ---- سبکو خبر ہو جائے ------- اس نے کہا کہ خدایا تونے مجھے آگ سے پیدا کیا، آدم کو خاک سے پیدا کیا ------- میں آدم سے بہتر ہوں ------ ابلیس نے غلط نہ کہا تھا کہ آدم کو خاک سے پیدا کیا گیا تھا ----- مگر اللہ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ یہ ایسا سچ تھا جس سے ایک اولوالعزم نبی کی تحقیر ہوتی تھی۔ اسی لیے فرمایا کہ تو ہمارے نبی کو حقیر سمجھتا ہے۔ جا، دفع ہو ذلیل و خوار ہو! فاخرج انك من الصغرين ---- معلوم ہوا کہ نبی کی شان میں کوئی سچی بات بھی تحقیر آمیز انداز میں کہی جائے تو ابدی بدبختی اور غضب الٰہی کا سبب بن سکتی ہے ----- بے شک، نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا۔

اللہ اللہ تخلیق آدم (علیہ السلام) کے پہلے ہی روز گستاخان رسول کا انجام دکھا دیا گیا کہ کوئی آنے والا گستاخی کی جرات نہ کر سکے ----- نائب رب العالمین کا سکہ چلتا ہے اور ان کے دامن عصمت پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے ------- ابلیس کی بدبختی و بدنصیبی کا سبب آدم (علیہ السلام) کی ذات تھی۔ اس لیے اس کا پہلا نشانہ آپ ہی کی ذات ٹھہری ------ اس نے آپ کو بھکایا --- اب وہ دلوں میں ہزاروں وسوسے ڈالتا ہے مگر سب سے خطرناک وسوسہ یہی ہے۔ کہ نبی کچھ نہیں، بس اللہ ہی اللہ ہے ------ یہ وہی بات ہے جس نے ابدالآباد تک ابلیس کی گردن میں لعنت کا طوق ڈالا -------- کون ابلیس؟ ------ جو موحد تھا ------ جس نے برسہا برس فرشتوں کو تعلیم دی ---- جن ہوتے ہوئے ریاضات و مجاہدات نے جس کو فرشتوں کی صف میں

لا کھڑا کیا اور پھر اس کے سامنے فرشتوں کو زانوئے تلمذ تہ کرنا پڑا----- اور وہ فرشتوں کا استاد بنایا گیا ----- اس بلندی پر پہنچنے کے باوجود ----- اس شان کے علم و فضل اور زہد و عبادت کے باوجود ----- دیکھتے ہی دیکھتے آسمان عزت کی بلندیوں سے غار ذلت کی پستیوں میں گرا دیا ----- آدم (علیہ السلام) کی جناب میں گستاخی کی پاداش میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ملعون و مردود ٹھہرا دیا گیا ----- معلوم ہوا کہ نبی کی شان میں گستاخی عمر بھر کی نیکیوں اور زمانے بھر کی فضیلتوں کو حرف غلط کی طرح مٹا کر رکھ دیتی ہے ----- اللہ اللہ ----- جو کبھی عالم تھا ----- جو کبھی ولی کامل تھا ----- جو کبھی معلم الملکوت تھا ----- گستاخی رسول کے بعد اب وہ کچھ بھی نہیں ----- پہلے اس کے آگے فرشتے باادب کھڑے ہوتے تھے ----- اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس سے پناہ مانگو اس سے دور بھاگو ----- حیف ایک عالم و فاضل اور عابد و زاہد کو گستاخی کہاں سے کہاں لے گئی ----- قصہ ابلیس و آدم ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے ----- مگر نہیں آنکھیں نہیں کھلتیں ----- اور نامعلوم جان بوجھ کر یا بے سوچے سمجھے ابلیس کے مشن کو تقویت پہنچائی جا رہی ہے ----- اس کا مشن یہی ہے کہ مخلوق الٰہی کو انبیاء و اولیاء سے دور لے جایا جائے ----- اور ان سے بیگانہ کر کے کہیں کا نہ رکھا جائے ----- عظمت نبوت اس کی ذلت و رسوائی کا سبب بنی ----- اس لیے اس نے آدم، جانشین آدم، حضرات انبیاء، علیہم السلام اور وارثین انبیاء حضرات اہل اللہ کو اپنا حریف سمجھا ہے اور انہیں کی عزت و ناموس کے درپے ہو رہا ہے ----- دلوں کو ان سے توڑ رہا ہے ----- زبانوں کو ان کی جناب میں گستاخ بنا رہا ہے ----- خوب بدلے لے رہا ہے ----- حقیقت میں امر رب مقام ادب سے بھی بالاتر ہے ----- الامر فوق الادب ----- ابلیس یہ نکتہ نہ سمجھا وہ غیر اللہ کے آگے نہ جھکنے کو جان توحید سمجھا اور اس حرف محبت کو بھلا دیا کہ بندگی، محبوب کے اشاروں پر چلنے کا نام ہے ----- اسلیئے وہ مغضوب و مردود ٹھہرا کہ حرف محبت سے نا آشنا تھا ----- اس کو عقل نے ڈسا۔ اس نے محبت کا مزا چکھا ----- بے شک رئیس العاشقین ہی رئیس الموحدین ہے ----- جس کو محبت و ادب کا پاس و لحاظ نہیں وہ عاشقی و بندگی کیا جانے!

عاشق نہ شدی و محنت الفت نہ کشیدی

کس پیش تو غم نامہ ہجراں چہ کشاید

ایک ظاہر سجدہ ہے --- ایک باطن سجدہ ہے --- ظاہر سجدہ یہ ہے کہ انسان کی پیشانی خمیدہ ہو کر زمین بوس ہو جائے اور باطن سجدہ یہ ہے کہ جسم و جان دونوں مصروف اطاعت و بندگی ہو جائیں ----- گویا اطاعت و فرماں برداری روح سجدہ ہے۔

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے

ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اسی لیے فرمایا من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ----- جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی ----- دوسری جگہ فرمایا قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔ ان سے فرما دیجئے اگر تم اللہ کو چاہتے ہو تو میری اطاعت کرو، پھر اللہ تم کو محبوب بنا لے گا ----- رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور اللہ کی محبوبیت کا سب سے بڑا وسیلہ ----- حضور اکرم ﷺ کی اطاعت میں روح سجدہ کی جھلک نظر آ رہی ہے ----- مجاز پرستی کے اس دور میں توحید خالص کا اس طرح پرچار کرنا کہ اللہ کے برگزیدہ بندوں، رسولوں، نبیوں اور ولیوں کو محتاج محض اور عاجز مخلوق قرار دے کر عام انسانوں کی صف میں کھڑا کر دیا جائے، نہایت ہی خطرناک ہے ----- خصوصاً اس دور میں جو نبیوں، رسولوں اور ولیوں سے چھوٹا وہ خدا سے چھوٹا ----- اس کا مسلمان نظر آنا تو ممکن ہے مگر مسلمان رہنا مشکل ہے۔

جو تیرے در سے یار پھرتے ہیں

در بدر یونہی خوار پھرتے ہیں

[illegible]

کچھ لوگ امام ابو حنیفہؒ کے پاس آئے جب آپ نے آنے کی وجہ دریافت کی تو انہوں نے کہا ہم آپ سے قرأت خلف الامام پر مناظرہ کرنے آئے ہیں، آپ نے فرمایا اگر ایک فرد ہوتا تو اس کی سنی جاتی، سب کی بیک وقت کیسے سنوں گا۔ آپ اپنے سب سے بڑے عالم کو منتخب کر لو، جو مجھ سے بات کرے، انہوں نے ایک عالم کو منتخب کر لیا جو بڑا تھا کہنے لگا ہمارا عالم آپ سے مناظرہ کرے گا، باقی ہم سب خاموش رہیں گے امام صاحب نے کہا اگر واقعتاً اس پر آپ سب کا اعتماد ہے تو پھر اس کی ہار کو اپنی ہار مانو گے۔ انہوں نے کہا ہاں اس پر امام صاحب نے فرمایا بس مناظرہ ختم ہو گیا۔ فیصلہ ہو گیا۔ ہم سب نماز میں بھی امام کو اسی لیے منتخب کرتے ہیں، حضور ﷺ کا ارشاد ہے "من کان له امام فقراة الامام قراة له" جس کا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے (دفاع ابو حنیفہ، مراسلہ مولانا محمد نعیم نگوروی)

پیغام

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

زبدۃ العارفین قدوۃ السالکین حضور پرنور حضرۃ الحاج

ملفوظات پیر سید علی حسین شاہ صاحبؒ کے ارشادات عالیہ

پروفیسر محمد حسین آسی

اولیائے کرام رحمہم الرحمہ کے ارشادات عالیہ کی اہمیت کو مختصراً اتنا سمجھ لیجیے کہ شیخ کامل ملہم من اللہ ہوتا ہے اور حدیث قدسی کے بمصداق انوار ربانی ہی اس کے اعضاء و جوارح کو منور و مشرف فرماتے ہیں اس لئے اس کا دیکھنا حتمی، سننا یقینی اور کچھ کہنا قطعی ہوتا ہے۔ وہ نور خدا سے ابتداء و انتہا کو دیکھتا، قدسیان فلک اور کارکنان قضاء و قدر کی آوازیں سنتا ہے تو پھر جو دیکھتا سنتا ہے اس کا کچھ حصہ اپنی اس زبان سے ادا کرتا ہے جو خود اذن خداوندی اور نور خداوندی سے بولتی ہے۔ عام بول چال اور عام الفاظ و حروف کے باوجود ان کا حال خاص ہوتا ہے۔ اور جو ان کے حال سے جتنا واقف ہوتا ہے وہ اتنا ہی ان کے قال کو سمجھ سکتا ہے۔ ان کی باتوں میں بلا کی سادگی اور بظاہر بالکل عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ معانی میں ایسی وسعت ہوتی ہے کہ سننے والے اپنے اپنے ظرف کے مطابق ہی ان سے فیض حاصل کر سکتے ہیں۔ بقول جگر مراد آبادی

پھول کھلے ہیں گلشن گلشن لیکن اپنا دامن

انہی اسرار و معارف کی طرف حضرت میاں محمد بخشؒ نے اپنے ایک پنجابی شعر میں اشارہ فرمایا ہے۔

صحبت سنگت پیر میرے دی، بہتر نفل نمازوں
اک اک سخن شریف انہاں دا محرم کردا رازوں

ذیل میں حضور پرنور سید و مرشدی دامت برکاتہم العالیہ کے چند ارشادات عالیہ ملاحظہ فرمائیں۔

ذکر خداوندی

1- ذکر و فکر اور مراقبے میں تساہل نہ کرو۔

2- دل کو وساوس و خطرات سے پاک رکھو اور ذکر الٰہی سے آباد کرو۔

3- عبادت کی کنجی فکر ہے۔ ذکر کی حلاوت تواضع اور خاکساری ہے۔

4- اللہ کی یاد میں رہنا بادشاہت سے بہتر ہے۔

5- جو شخص ذکر خدا میں ڈوبا ہو۔ وہ سوائے ضرورت معیشت دنیا کی طرف التفات نہیں کرتا۔

6- تم خدا کے بندے ہو اور حضور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت ہو۔ تم پر لازم ہے کہ قانون ربانی پر عمل پیرا ہو کر تمام روئے زمین پر اسی کی عظمت اور اللہ جل شانہ کا ذکر پھیلاؤ۔

قطب الاقطاب غوث الغیاث سیدنا مولانا حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ ذکر کے متعلق کیا خوب ارشاد فرماتے ہیں۔

ہر روز باشی صائما ہر لیل باشی قائما
در ذکر باشی دائما مشغول شو در ذکر ہو
گر عیش خواہی جاوداں، عزت بخواہی در جہاں
ایں ذکر ہو ہر آں بخواں مشغول شو در ذکر ہو
سودے ندارد خفتن، ناچار باید رفتن
در گور تنہا ماندن مشغول شو در ذکر ہو
ہو ہو بذکرش ساز کن، نام خدا آغاز کن
قلبے و سینہ باز کن، مشغول شو در ذکر ہو
طے بخوانی باحل، فردا بباشی تا خجل
در پیش قادر لم یزل مشغول شو در ذکر ہو
ہر دم خدا را یاد کن، دلہائے غمگین شاد کن
بلبل صفت فریاد کن، مشغول شو در ذکر ہو
مسکین احمد مرد شو وز جملہ عالم فرد شو
در راہ حق چوں گرد شو مشغول شو در ذکر ہو

7- تہجد کی مداومت کرو جس نے جو کچھ پایا ہے تہجد ہی سے پایا ہے۔

8- اللہ تعالیٰ سے مشغول ہونا چاہئے۔ یہ دنیا بے وفا ہے، فانی ہے۔ اپنا باقی تعلق پیدا کرو۔

9- تونگر وہ ہے جو دنیا کی غلامی سے آزاد ہو جائے۔ میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسب حلال سے ہاتھ اٹھا لو مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل شانہ سے غافل ہو کر دنیا کی طرف نہ دوڑو۔ حریص نہ بن جاؤ۔ طلب ریاست و عز و جاہ میں دین ہاتھ سے نہ دے دو۔ حضرت مولانا رومؒ نے خوب فرمایا۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

اچھی طرح جان لو یہ دنیا ہمیشہ رہنے کی جگہ نہیں پھر کیوں آخرت کو دنیا پر قربان کرتے ہو۔

10- اللہ کی رضا پر راضی رہو۔ صبر، حوصلہ و شکر کی عادت ڈالو۔

11- خاموشی میں اللہ اللہ کہو۔ اس کی برکت سے دل گویا اور زبان مؤثر ہو جائے گی۔

12- جب تک تو طالب دنیا ہے۔ دنیا نہ ملے گی بلکہ تجھ پر سوار رہے گی۔ جب تو اس طرف سے فارغ ہو کر اللہ کی طرف مشغول ہوا تو دنیا پر بادشاہ بنا۔

مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

1- نبی کریم ﷺ کی محبت ہر محبت پر فائق ہے۔

2- خدا کی محبت کی علامت یہ ہے کہ حضور سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ سے کامل محبت ہو۔

3- عشق الٰہی کا باغ ہمیشہ تازہ ہے۔ چمنستان محمدی (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو دنیوی بہار و خزاں سے کوئی علاقہ نہیں۔ اپنا گھر اس سدا بہار باغ میں بناؤ۔

4- اللہ اکبر اس دنیا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے شرم رکھو اس جہان میں خدا تم سے شرم رکھے گا۔

5- اگر تم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور اہل بیت کی محبت میں سرشار رہے تو سب کچھ ہے۔ اگر اس میں نقص ہوا تو کچھ بھی نہ رہا۔

6- جن لوگوں کو شان مصطفیٰ ﷺ میں چون چرا ہے۔ ان سے دور بھاگ جاؤ، ان کی بدبو سے بچو، گفتگو تک نہ سنو۔

7- (راقم الحروف سے ایک بار فرمایا) خدا تعالیٰ سے دعا کرو تو حضور ﷺ کی محبت مانگو کہ اصل دولت یہی ہے۔

8- (مدینہ منورہ میں مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے باب جبریل میں کھڑے ہو کر فقیر نے دعا کی التجا کی تو فرمایا) سرکار ﷺ کے دربار میں حاضر ہو، کیا اس سے بڑھ کر بھی کوئی آرزو ہو سکتی ہے؟

9- دربار شریف کے ایک خادم خصوصی نے پوچھا کہ حضور قبلہ عالم حضور شاہ لاثانی علیہ الرحمہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر کیا پڑھنا چاہیے تو) فرمایا، خاموشی اور مراقبہ زیادہ سے زیادہ، (پوچھا حضور سید کون و مکاں سلطان دو جہاں ﷺ و اصحابہ و بارک وسلم کے دربار میں حاضری کا شرف حاصل ہو تو پھر؟) فرمایا، زیادہ سے زیادہ درود شریف۔

10- (سرکارِ مدینہ ﷺ کی نعت پاک کے ساتھ حضرت اقدس کو خاص شغف تھا۔ حضور ﷺ کا ذکر نورانی ذوق وشوق سے سنتے تھے اور اکثر و بیشتر بزرگانِ دین اور دیگر عظیم شعرا کے نعتیہ اشعار حضرت والا اپنی زبانِ حق ترجمان سے خود بھی سناتے تھے مثلاً) شیخ سعدی علیہ الرحمہ کا یہ شعر آپ نے کئی بار پڑھا ہے۔

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

نیز حضرت عزت بخاری قدس سرہ کا یہ شعر بھی حضور سید عالم سلطان کائنات علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات کے دربار گوہر بار کے بارے میں بہت دفعہ سنایا گیا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

11- فرمایا' درود شریف ادب' انکسار اور محبت سے پڑھا کرو۔

حبِ اہل بیت و تعظیم صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

1- مقام صدیق" شعبان 1401ھ میں ایک عیسائی نوجوان حضور والا کے دست حق پرست پر بیعت ہوا۔ حضرت نے نام پوچھا تو اس نے کہا' صدیق مسیح' آپ نے ارشاد فرمایا' صدیق بہت اچھا نام ہے اسے بدلنے کو جی نہیں چاہتا چنانچہ اس کا نام صدیق مسیح کی بجائے محمد صدیق رکھ دیا۔

2- مسجد ضیائے لاثانی' کی تعمیر کے دوران' دوسری چیزوں کے علاوہ پنجتن پاک کے اسمائے گرامی بھی منبر کے اندرونی پانچ گوشوں میں حرفِ ندا کے ساتھ بحسن خط لکھوائے گئے' اور برآمدے میں خلفائے راشدین کی شان میں درج ذیل رباعی بھی تحریر کروائی گئی۔ یہ رباعی حضرت والا کو بہت پسند ہے۔

صدیق عکس حسن کمال محمد ﷺ است
فاروق ظل جاہ وجلال محمد ﷺ است
عثمان ضیائے شمع جمال محمد ﷺ است
حیدر بہار باغ خصال محمد ﷺ است

مسجد میں اس رباعی کے پہلو میں یہ شعر بھی خلد نگاہ ہے۔

چراغ و مسجد و محراب و منبر
ابوبکر و عمر' عثمان و حیدر رضی اللہ عنہم

3- فرمایا حضور قبلہ عالم شاہ لاثانی قدس سرہ اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی محبت پر بہت زور دیتے ہیں لیکن جب بعض لوگوں کے بعض صحابہ کا ذکر چھڑتا تو اپنی عادت کریمہ کے مطابق' دست مبارک' گوشِ مبارک کی طرف بار بار لیجا کر اس برے عقیدے سے بیزاری و برأت کا اظہار فرماتے۔

4- (راقم الحروف نے ایک بار کتاب مسلک امام ربانی' خدمت میں پیش کی تو آپ نے بالخصوص وہ باب پڑھوا کر سنا جس میں حضرت امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی حضرت سیدنا امیر معاویہؓ سے عقیدت ومحبت کا ذکر تھا۔ حضرت نے شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ کے ارشادات سن کر) فرمایا' دیکھا حضرت امیر معاویہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں عقیدہ وہی ہونا چاہیے جو حضرت مجدد صاحب علیہ الرحمہ نے ارشاد فرمایا ہے' لوگ نہ جانے کیا کیا باتیں کرتے ہیں۔

تلاوت قرآن مجید اور اتباعِ شریعت

1- فرمایا خدا کی اطاعت خوشی سے کرو۔ محبت و شوق و ذوق سے کرو۔

2- فرمایا' تلاوت قرآن مجید اور دینی کتابوں کا مطالعہ دل کو منور کرتا ہے۔

3- فرمایا علمائے کرام سے مسائل شرعیہ سیکھتے رہو۔

4- فرمایا علم کی باتیں سنو' ان پر دھیان لگاؤ اور عمل کی کوشش کرو۔

5- فرمایا' کامل طور پر شریعت کی اتباع کرو۔ یہ نہ ہو بعض احکام مان لئے اور بعض چھوڑ دیئے۔ اسی طرح طریقت وحقیقت کے مسائل کو لازم پکڑو۔

6- (ایک شخص نے اپنی ناکامیوں اور پریشانیوں کا اظہار کیا تو) فرمایا' نماز پنجگانہ کی پابندی کرو۔ خدا تعالیٰ سب کام بنا دے گا۔ (ایسا واقعہ اکثر ہوتا ہے کسی کو درود شریف کسی کو تلاوت کلام پاک' کسی کو حسب حال حزب شریف گیارہ بار پڑھنے کا ارشاد ہوتا ہے یعنی جو نماز پنجگانہ کی پابندی کے علاوہ کچھ اور بھی چاہے اسے بعض وظائف کی تلقین وہدایت بھی کی جاتی ہے)

7- (رمضان شریف میں ایک جوان آدمی تعویذ لینے آیا تو پوچھا' کیا تم روزے سے ہو؟ اس نے نفی میں جواب دیا) فرمایا جاؤ تمہیں کوئی تعویذ نہیں ملے گا' جی تو چاہتا ہے' دھکے مار کر نکال دوں مگر خدا سے ڈر آتا ہے پھر فرمایا' ہاں خوفِ خدا کا تقاضا بھی یہی تو ہے کہ ایسے شخص سے قطعاً نرمی نہ برتی جائے۔

عقیدے کی پختگی

1- فرمایا نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔ گروہ اہل سنت و جماعت کے جو لوگ مخالف ہیں ان سے ضرور بچو۔

2- فرمایا' ہر نئی تہذیب اور نئے فرقے کی طرف مت لپکو۔ دین حنیف ہی پر قائم رہو۔

3- (ایک شخص نے بتایا کہ میرا لڑکا بدعقیدہ لوگوں کے مدرسے میں قرآن کریم حفظ کرتا ہے تو) فرمایا' ان کے ہاں پڑھنے سے نہ پڑھنا بہتر ہے۔ اچھا یہ ہے کہ اسے وہاں سے نکال کر اہل سنت وجماعت کے مدرسے میں داخل کرا دیا جائے۔

4- (1961ء میں میں نے اشاعت دین کی غرض سے انجمن فدایان مصطفیٰ کی بنیاد رکھی اور اس میں دوسرے عقیدے کے لوگوں کو شامل کرنے کی اجازت چاہی تو) فرمایا' "حضور اکرم ﷺ کی گستاخی کرنے والوں کو کیونکر ساتھ ملایا جا سکتا ہے"۔

5- (ایک شخص نے مجھے اپنے ہاں ہر موضوع پر بولنے کی اجازت دیتے ہوئے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں علیہ الرحمہ کا نام لینے سے روکنا چاہا۔ میں نے اس کے متعلق حضرت والا سے پوچھا تو) فرمایا وہ دیوبندی ہوگا۔

6- فرمایا' جس نے بدعقیدہ لوگوں سے میل جول رکھا' سمجھ لو اس نے اپنا بستر آگ پر ڈال لیا'۔

خوفِ خدا

1- فرمایا' خدا سے ڈرنے والے کا دل نرم' عقل کامل اور فہم سلیم ہوتا ہے۔

2- فرمایا' جب تک خدا سے ڈرتے رہو گے' راہ راست پر رہو گے جب اس ذات پاک کا خوف دل سے نکل گیا' گمراہ ہو جاؤ گے۔

3- فرمایا' نمود وریا بناوٹ سے بچ خدا کے ساتھ لو لگاؤ۔ خدا سے انحراف نہ کرو۔ مردہ ہو جاؤ گے قبروں میں جا کر پچھتاؤ گے۔

4- فرمایا' انکسار وتواضع کی عادت ڈالو' یہ افضل عبادت ہے۔ خود پسندی اور عجب شیطانی فعل ہے۔ خالص و بے ریا تھوڑا عمل بھی بہتر ہے۔

پیر و مرید کا تعلق

1- فرمایا' اپنے شیخ کے ساتھ مخلصانہ عمل پیدا کرو۔

2- فرمایا' اپنے مرشد کے حضور سے انسان خالی ہاتھ نہیں لوٹتا۔ نور کی کرنوں سے دامن مراد بھر لیتا ہے۔

3- فرمایا' جب تم کسی اہل دل کے پاس جاؤ تو خاموش رہو اور دل کو بھی ادھر ادھر کے خیالوں سے پاک صاف رکھو کیونکہ صاف دل پر اللہ کا بندہ کچھ لکھتا ہے۔

4- فرمایا بحر معرفت میں ہزاروں سفینے غرق ہوئے۔ تجربہ کار اور

واقف رسم و راہ منزل ہا تا خدا کو ڈھونڈ اور اس کے پیچھے قدم بہ قدم سفر کر۔

5- فرمایا شیخ کی توجہ کئی قسم کی ہوتی ہے۔ وہ مرید کے ظرف اور استعداد کے مطابق تربیت کرتا ہے۔ بعض اوقات اتصالی توجہ کار فرما ہوتی ہے۔ بعض اوقات انعکاسی اور بعض اوقات القائی اور بعض اوقات اتحادی۔ لہذا خاموش ہو کر فیضان حاصل کرتے رہو۔

6- فرمایا اللہ اکبر! حضور قبلہ عالم علیہ الرحمہ کے پاس حاضر ہونے والے اپنے مضبوط اور اچھے عقیدے سے حاضر ہو اور دامن دل نور سے بھر کر لے جا۔ ضعیف العقیدہ انسان فائز المرام نہیں ہوتا۔

7- فرمایا’ اپنے بزرگوں اور مشائخ کی خدمت میں جان و مال سے دریغ نہ کرو۔

8- فرمایا’ صحبت اور خدمت شیخ میں لگے رہنا چاہیے۔ منزل مقصود کا یہی ایک راستہ ہے۔

9- فرمایا’ اپنے شیخ کے الطاف و کرم اور مہربانی سے متمتع ہو کر اس سے بے تکلف نہ ہو جائے اور نہ اس کی تادیب سے دل برداشتہ ہو جائے۔ خوف اور امید کے درمیان رہنا چاہیے۔

10- فرمایا’ اللہ والوں کا ذکر حقیقت میں اللہ کا ذکر ہے۔
پہنچا سکتا ہے جہاں مدتوں کی عبادت نہیں پہنچا سکتی۔

حضور قبلہ عالم شاہ لاثانی قدس سرہ کا مقام

1- فرمایا’ جی تو چاہتا تھا کہ حضور قبلہ عالم قدس سرہ کے اوصاف حمیدہ پر صفحوں کے صفحے لکھتا جاؤں اور ہم جن کا نام لے لے کر جی رہے ہیں ان کے وصف باکمال دل کھول کر بیان کر دوں مگر سمجھتا ہوں کہ کما حقہ عہدہ برا نہیں ہو سکوں گا۔ حضور قبلہ عالمؒ طریقت کے آفتاب تھے جن کی ضیائے پاک نے چار دانگ عالم کو منور کیا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق حضور سے استفادہ کیا۔ حضور کی پاک نگاہوں نے نااہلوں کو اہل کر دیا اور ہزاروں گمراہوں کو آسودہ منزل بنا کر شاد کام کیا۔

2- فرمایا’ اللہ اکبر! آپ کی سادگی استغنی دنیا کے لئے درس عمل تھی۔ حضور قبلہ عالم حق گو تھے۔ فرقہ پرستیوں کی الجھنوں سے آزاد تھے۔ آپ کا مسلک صلح کن تھا۔ حنفی المذہب تھے اور اسی طریقہ پر قائم رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔

4- (صوفی محمد رفیق صاحب مصنف انوار لاثانی نے بقول خود ایک معاملے کے متعلق عرض کیا کہ شاید حضور اس کو سرانجام نہیں دینا چاہیئے تو) فرمایا میرے بدن پر جب تک قمیض بھی ہے میں حضور قبلہ عالمؒ کی خدمت سے پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔

5- فرمایا’ حضور قبلہ عالمؒ کے پاک دل میں وہ نور اور آتش عشق موجود تھی کہ آپ کے پاس بیٹھنے ہی سے نور کی شعاعیں دل پر اثر انداز ہو جاتی تھیں۔

6- (بابو محمد یوسف صاحب سیالکوٹی کے ہاں ایک گفتگو کے دوران) فرمایا’ حضور قبلہ عالمؒ نے کہ بعض لوگوں میں لگتا ہے جیسے بجلیاں بھر دی ہوں۔ بظاہر بالکل سادہ مگر باطن میں پرواز بہت بلند اور استعداد نہایت وسیع۔ (بالفاظ دیگر سادگی پرہیزگاری’ حضور کا خاص فیضان تھا)۔

7- فرمایا’ حضور قبلہ عالمؒ کی سوانح حیات کو غور سے پڑھو اور عمل کرو۔ آپ کی پاکیزہ زندگی تمہارے لئے درس عمل ہے۔ رہبر ہے۔

8- فرمایا’ حضور قبلہ عالمؒ کے متوسلین ہو کر حقہ نوشی سے باز نہ آئیں۔ ان پر افسوس ہے۔ کاش وہ آپ کے ارشاد کو سمجھیں۔

تاکید ادب وغیرہ

1- فرمایا’ ادب سیکھو۔ حتیٰ کہ آدمی جاہل اور بے ادبوں سے بھی ادب سیکھ جاتا ہے یعنی ان کی حرکات کو قبیح سمجھ کر اجتناب کرتا ہے۔

2- فرمایا’ جو تمہیں نصیحت کی بات کہے اسے فوراً قبول کر لو۔ بزرگان دین کا احترام کرو۔

3- (ایک مولوی کے متعلق ذکر ہوا کہ یہ اعلان کرتا پھرتا ہے ’میں مجدد صاحب کی اس بات کو نہیں مانتا‘ حضور والا پائے مبارک کی درد کی وجہ سے صاحب فراش تھے مگر اس بات پر سخت ناراض ہو کر) فرمایا جو کہے ’میں حضرت مجدد کی اس بات کو نہیں مانتا‘ میں اسے مردود سمجھتا ہوں۔ (یہاں مردود سے مراد مردود طریقت یعنی محروم فیض ہے)۔

حب درویشاں کلید جنت است
دشمن ایشاں سزائے لعنت است

4- فرمایا’ کتب دینی کو نہایت ادب و احترام سے رکھنا چاہیے۔

5- فرمایا’ زیادہ ہنسنا دلیل حماقت ہے۔ بزرگوں کے پاس با ادب بیٹھو نوجوانوں کو شرم و حیا بہت ضروری ہے۔

6- فرمایا’ بزرگوں کے عطا کردہ تبرکات کو عزت سے رکھو۔

7- فرمایا’ فقرا اور غربا کو حقارت سے نہ دیکھو بعض اوقات ان میں بہت بلند پایہ ہستیاں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ کسی نے خوب فرمایا۔

خاکساران جہاں را بحقارت منگر
تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اختیار صحبت

1- فرمایا’ اہل ظاہر اور بد باطن کی صحبت دل کو سیاہ کر دیتی ہے۔

2- فرمایا’ برے آدمی کی صحبت تمہیں نیکوں سے بدظن کر دے گی۔

3- فرمایا’ دوست اس کو سمجھو جو تمہیں نیک و بد سے آگاہ کرتا ہے۔

4- فرمایا’ عافیت تنہائی میں پاؤ گے اور سلامتی خاموشی میں’ اور فرمایا خاموشی افضل ترین عبادت ہے۔

5- فرمایا’ فضول بحث اور سوچ بچار سے آدمی اللہ سے دور ہو جاتا ہے اور اپنے ہی خیال میں الجھ کے رہ جاتا ہے۔

حسن تعامل و اخلاق و متفرق ارشادات

1- فرمایا’ عیب بینی اور پردہ دری سے بچو۔ عیب پوشی اور حسن ظن اختیار کرو۔

3- کوشش کرتے رہو کہ تم سے اخلاق رذیلہ’ بد خلقی’ بد گوئی دور ہو جائے اور اخلاق حمیدہ’ خوش خلقی صاف گوئی تمہارا اشعار بن جائے۔

4- فرمایا’ حسب و نسب پر فخر کرنا اور خود عمل نہ کرنا محرومی کی دلیل ہے۔

5- فرمایا’ ہر وقت پاک صاف رہنے کی کوشش کرو۔

6- فرمایا’ خدمت والدین اہم فریضہ ہے۔ جس نے اس سے انحراف کیا اس نے اپنا دین برباد کیا۔

7- (ایک نوجوان نے شکایت کی کہ میرے ابا جان دوسروں کے زیر اثر ہیں اور مانتے ہی نہیں۔ اس پر) فرمایا’ بہر حال انہیں راضی کرنا تم پر ضروری ہے۔

8- فرمایا’ انسان ہمت و استقلال سے بڑے بڑے کام کر جاتا ہے بہترین طریقے سے زندگی بسر کرو تا کہ مرنے کے بعد بھی لوگ تمہیں اچھے طریقے سے یاد کریں۔

9- فرمایا’ یاوہ گوئی’ لغویات اور مسخرا پن سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔ متانت و سنجیدگی انسان کو باوقار بنا دیتی ہے۔

10- فرمایا’ کھانے سے پہلے معلوم کر لو کھانا کہاں سے آیا۔ مشکوک کھانوں سے دل پراگندہ ہو جاتا ہے۔

11- فرمایا’ خود فروشی و خود نمائی سے بچو۔ اپنے کشف و خواب وغیرہ کا تذکرہ ہر کہ و مہ سے نہ کرو۔

12- (تھانہ چوہنگ میں مولوی محمد بخش صاحب کے ہاں ایک سلسلہ کلام میں) فرمایا' وہ شخص بہت خوش نصیب ہے جسے اللہ کریم سادگی کی دولت عطا فرماتا ہے۔ (اللہ کریم اپنے حبیب پاک ﷺ کے طفیل نمود وریا' فخر وتکبر' حب جاہ وغیرہ سے بچا کر سادگی اور خلوص سے نوازے۔ آمین)۔

13- فرمایا' کم ہنسو' زیادہ روؤ۔ کم بولو زیادہ چپ رہو' داد و دہش زیادہ کرو اور کم کھاؤ۔ کم سوؤ' آخرت میں راحت سے رہو گے۔

14- فرمایا' پاکیزگی اختیار کرو' اللہ پاک ہے' نبی کریم ﷺ پاک ہیں اور پاک کو پسند کرتے ہیں۔

15- فرمایا' نوجوان شرمیلا اور حیادار ہونا چاہئے۔

16- فرمایا' اللہ اکبر! جوان مرد کی تین صفات ہیں۔ سخاوت' مخلوق خدا پر شفقت' مخلوق سے بے نیازی اور اللہ تعالیٰ سے آشنائی۔

17- فرمایا' کوشش کرو کہ تم سے مسلمان بھائی خوش رہیں۔ (1)

18- فرمایا' مسلمانوں کو بہتری کی طرف لے جانے کی کوشش کرو۔ (2)

19- فرمایا' قوت فکر انسان کے پاس ایک آئینہ ہے جس میں ہر بھلائی اور برائی کو دیکھ سکتا ہے۔

20- فرمایا' قناعت اور توکل کر۔ صبر و رضا بہترین خصلتیں ہیں۔

21- فرمایا' جھوٹ سے بچو۔ قلم ربانی جھوٹے کو لعنتی لکھتا ہے۔

22- فرمایا' شریف آدمی' حلیم و بردبار' صادق القول اور اپنے وعدے کا پکا ہوتا ہے۔

23- فرمایا جب کسی سے وعدہ کرو تو اسے پورا کرنے کی کوشش کرو۔

24- فرمایا' اپنے اخراجات اپنی آمدنی سے نہ بڑھاؤ'

25- فرمایا' ضرورت کے بغیر بولنا منع ہے۔ کلام صاف وسادہ اور مختصر ہونا چاہئے۔

26- فرمایا' اپنی آنکھوں کو روکے رکھو' اگر یہ آوارہ ہو گئیں' تو اطمینان دل غارت کر کے گناہ کبیرہ کا مرتکب کر دیں گی۔

27- فرمایا' معاملات میں صفائی رکھو۔ ایثار اور احسان و مروت کی عادت ڈالو۔

28- فرمایا' حسد و تعصب اور طمع وغضب بہت ہی بری خصلتیں ہیں۔

29- فرمایا' دل کو حسد سے نہ جلاؤ' اس میں عشق الٰہی کی آگ روشن کرو۔

30- فرمایا' اپنے نفس اور دل کا روزانہ جائزہ لیا کرو کہ تم کس طرف جا رہے ہو۔

31- فرمایا' انسان مر کر فنا نہیں ہو جاتا بلکہ صفت بدل جاتی ہے' گھر بدل جاتا ہے۔

32- فرمایا' اولیاء اللہ کو مردہ خیال نہ کرو۔ قرآن کریم کی نص سے ان کی حیات طیبہ ثابت ہے۔

33- (راقم نے اپنے بعض پریشانیوں کا ذکر کیا تو) فرمایا' درود تاج شریف سات دفعہ پڑھا کرو مگر یہ نہ سمجھنا کہ پڑھنے کی وجہ سے کام ہوگا کام جب بنے گا' اسی (کریم جل شانہ) کی رحمت سے بنے گا۔ (سبحان اللہ)۔

34- (دربار عالی کے اخص الخواص خادم جناب حاجی محمد مقبول احمد صاحب نے حج پر جاتے ہوئے عرض کی! حضور میں زیادہ دعائیں یاد نہیں کر سکتا لہٰذا طواف کے دوران کیا پڑھوں گا) فرمایا 'تیسرا کلمہ شریف ہی پڑھتے رہنا۔

35- فرمایا' اللہ اکبر! ایک بار (حضور قبلہ عالم شاہ لاثانی قدس سرہ نے) مجھے فرمایا' اے علی حسین! تیرے دروازے سے مسافر بھوکا نہ جائے۔ لنگر کو بند نہ کرنا خواہ اور ضروریات رہ رہی جائیں۔

36- (ایک بار حضرت اقدس مدظلہم کے پائے مبارک میں تین چار دن سے سخت درد تھا' کچھ افاقہ ہوا تو باہر کھیتوں میں دھان لگوانے کے لئے گھوڑی پر سوار ہو گئے' بندہ عاجز کو خدشہ تھا کہ راستے میں پانی ہونے کی وجہ سے ممکن ہے گھوڑی کا پاؤں کہیں پھسلے اور اس طرح خدانخواستہ درد پھر شروع ہو جائے۔ چنانچہ عرض کیا کہ حضور دربار عالی میں رونق افروز رہیں اور دور دور سے آنے والی مخلوق خدا کو فیض پہنچائیں' یہ کام تو قبلہ صاحبزادہ بھی بخیر وخوبی سرانجام دے لیں گے تو) فرمایا' میرے لئے تو دو روٹیاں کافی ہیں' یہ سارا اہتمام بھی تو مخلوق خدا کے آرام کی خاطر ہے۔

[illegible]

ایک مجذوب شہر سے باہر رہتا تھا کہ وہاں سے ایک ملحد (منکر خدا) کا گزر ہوا ملحد نے مجذوب سے کہا: سائیں بابا ایک مسئلہ تو بتا دو۔

مجذوب: ایک نہیں کئی پوچھ لو۔

ملحد نے کہا: اچھا بتاؤ کہ خدا جب نظر نہیں آتا تو بن دیکھے اس کا اقرار کیوں کرتے ہو؟

دوسرے یہ کہ شیطان بھی جب آگ سے بنا ہے تو اگر اسے دوزخ کی آگ میں ڈالا گیا تو اسے اس سے کیا تکلیف ہو گی؟

تیسرے یہ کہ جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے تو پھر بندہ کیوں مجرم ہے؟

مجذوب نے چپکے سے ایک ڈھیلا اٹھایا اور زور سے ملحد کے سر پر مار دیا۔ ملحد چلا اٹھا اور سیدھا عدالت میں چلا گیا۔ مجذوب صاحب نے کہا کہ میں نے اس کے تین سوالوں کا ایک ہی جواب دیا ہے۔ جج نے پوچھا وہ کیسے:

اس کے ڈھیلا لگنے سے اسے درد ہو رہا ہے کیا وہ اسے دکھائی دیتا ہے؟،،

ملحد نے کہا کہ درد نظر نہیں آتا البتہ محسوس ہو رہا ہے۔

مجذوب نے کہا! تو یہی میرا جواب ہے کہ خدا نظر تو نہیں آتا مگر اپنی قدرتوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔

مسٹر کا دوسرا سوال یہ تھا کہ جبکہ شیطان آگ سے بنا ہے اسے دوزخ کی آگ سے کیا تکلیف ہو گی کیونکہ وہ بھی آگ۔ یہ بھی آگ پوچھے کہ ڈھیلا کس چیز سے بنا ہے

ملحد نے کہا "مٹی سے"

مجذوب: "اور تم کس چیز سے بنے ہو"؟

ملحد: "مٹی ہی سے"

مجذوب: "تو جس طرح مٹی نے مٹی کو مجروح اور بے چین کیا اور تکلیف میں ڈال دیا ہے اسی طرح آگ بھی آگ کو تکلیف دے سکے گی۔

ملحد: "دو باتیں تو سمجھ میں آ گئیں مگر تیسرا سوال ابھی باقی ہے کہ جب سب کچھ خدا ہی کرتا ہے تو پھر بندہ مجرم کیوں؟"

مجذوب: "تو پھر تمہیں یہ ڈھیلا بھی تو خدا ہی نے مارا میرے خلاف دعویٰ کیوں؟"

ملحد: "یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی کہ بندے کا بھی کچھ اختیار ہے"

مجذوب: "اور اسی اختیار کی وجہ سے اچھے برے کام کا ذمہ دار ہے۔ جج نے ہنس کر مقدمہ خارج کر دیا۔

حضرت انسان

(اسلام اور دیگر افکار کی روشنی میں)

(تحریر: غلام مصطفےٰ مجددی (شکر گڑھ)

یوں تو دیکھنے میں انسان ایک مشت خاک ہے۔ ایک قطرۂ آب ہے۔ ہوا، پانی، مٹی اور آگ جیسی متضاد قوتوں کا مجموعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موت کا ہولناک طوفان ان ناپائیدار اشیاء سے بننے والے آشیاں کو بھی تنکا تنکا کر کے رکھ دیتا ہے۔ کوئی آشیاں بندی نہیں کرتا۔ بلکہ کوئی ان تنکوں کو خاک میں دفن کر دیتا ہے اور کوئی جلا کر راکھ! بس انسان ختم۔

تم نے چھیڑا تو کچھ اور بکھر جائے گی
زندگی زلف نہیں ہے جو سنور جائے گی

یہ تھا انسانی وجود کا ظاہری پہلو۔ بعض نظریات اسی ظاہری پہلو کو انسانی حقیقت اور آدمی کی ماہیت سمجھ کر اپنی تعلیمات کی بنیاد رکھتے ہیں۔ وہ اس کے اندر پائی جانے والی لامتناہی کائنات اور عجیب و غریب کیفیات کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ وہ اس کے مقاصد تخلیق کو کیا سمجھیں جب کہ خالق کی ذات مسلمہ کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ واجب الوجود کی دلیل کاملہ، ممکن الوجود ہوا کرتا ہے۔ جیسے قطرہ اپنی ہستی کو فنا کر کے سمندروں کی بقا کا اعلان کرتا ہے۔ ایسے ہر ممکن الوجود مٹ کر واجب الوجود کے حق و قائم ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز ممکن الوجود ہے اور مٹ کر اس کے باقی و لافانی ہونے کی دلیل فراہم کرتی ہے۔ جن لوگوں نے انسان کے ظاہر کا مطالعہ کیا وہ اس کے ظاہری رنگ و بو میں اس قدر کھو کر رہ گئے کہ خدائی قدرتوں کا بھی انکار کر بیٹھے۔ جسم کے پجاری بن گئے۔ تن پروری کے سوا ہر چیز کو حرف غلط سمجھنے لگے۔ جسم ایک جزء ہے وہ اسے کل تصور کرنے لگے۔ مذہب جو انسان کی اندرونی کائنات میں تاک جھانک کی دعوت دیتا ہے ان لوگوں کے نزدیک "افیون" اور زہر قاتل کا درجہ حاصل کر کے رہ گیا۔ کارل مارکس کا قول ہے "مذہب عوام کی افیون اور عوام کا ناجائز استحصال کرنے کا آلہ کار ہے"۔ لینن کا کہنا ہے کہ "مارکسیت مادیت" کا دوسرا نام ہے اور مذہب کی اولین دشمن ہے۔ محض تن پروری کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان اپنی اخلاقی اور روحانی اقدار زندگی کے الٹ پھیر اور نشیب و فراز میں کھو بیٹھا۔ حیوانی خصلتیں اس کا طرہ امتیاز بن گئیں۔ جیسے حیوان نیکی اور بدی کے تصور سے ناآشنا ہوتا ہے ویسے ہی انسان بھی ان سے مستغنی ہو گیا۔ مشہور جرمن فلسفی ہیگل جو اشتراکی فلسفے کے بانی مارکس کا ہیرو تھا، نے رقم کیا کہ "نیک اور بد کا تصور اخلاق پر نہیں بلکہ معاشی عوامل پر مبنی ہے۔ نیکی اور بدی مستقل بالذات کوئی چیز نہیں۔ آج کی نیکی کل کی بدی ہو سکتی ہے۔ اور آج کی بدی کل کی نیکی۔ جس نیکی سے انسانی مقاصد میں رکاوٹ پڑتی ہے وہ بدی ہے اور جس بدی سے انسانی مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے وہ نیکی ہے" یہ زیادہ دیر کی بات نہیں مگر اس کو قدیم انسانی زندگی میں بھی دیکھا جا سکتا ہے انسان اپنی جسمانی خواہشات کی تسکین کے لئے کیا کیا کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ تَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَاءَ (یعنی زمین میں خونریزیاں کرے گا) کے ملکوتی تجزیے کا عملی نمونہ بن کر رہ جاتا ہے۔ سوشلزم یا اس سے ملتے جلتے نظریات نے ان وحشی عادتوں کو مزید جلا بخشی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا مادہ پرست "انسان پہلوں سے کہیں زیادہ خود غرض اور سفاک ہو گیا ہے اور ہوتا جا رہا ہے۔ یہ تمام نظریات جو انسان کے روحانی پہلو کا انکار کر دیتے ہیں خدا کو کیسے پہچان سکتے جس کی معرفت کا تعلق بہر حال اسی پہلو سے وابستہ ہے۔

ہندومت کی "روح پروری"

ہندومت مذاہب عالم میں نمایاں مقام رکھتا ہے جس نے انسان کی روحانی ضرورتوں اور تشنگیوں کی طرف توجہ دی۔ گوتم بدھ نے دنیوی مال و منال کو چھوڑ اور سر منڈوا کر دور جنگلوں کے باسی بن گئے۔ آتما کی شکتی حاصل کرنا ان کے نزدیک زندگی کا پہلا مقصد تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اس نے جسم کے فطری تقاضوں کا انکار کر دیا۔ اب انسان عجیب سی پریشانی کا شکار تھا۔ کچھ لوگ صرف تن کے پجاری تھے اور کچھ من کے پجاری۔ جبکہ انسانی وجود جسم اور روح کا حسین امتزاج ہے۔ کسی ایک کے انکار پر انسان انسان نہیں رہتا۔ بلکہ اپنے بلند ترین مقام سے گر جاتا ہے۔ ہندی فلسفہ میں "اپ ورگ" جسم کے فنا ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ روح جب تک نو قسم کی کیفیات سے بالکل جدا نہ ہو جائے نجات ممکن نہیں۔ یہ جدائی جسم سے علیحدگی کے بعد ہی ممکن ہے۔ نو کیفیات یہ ہیں۔ ارادہ، دشمنی، لذت، الم، علم، کوشش، نیکی، بدی، اور فطری جبلت" (تاریخ ہندی فلسفہ) ویدانت کی رو سے بھی جسم اودیا اور مایا کا مظہر ہے۔ اس لئے جسم کے ہوتے ہوئے نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ ہندومت میں سلوک و عرفان کا انتہائی درجہ "بدھ" کا ہے کہ اگر انسان رہبانیت اختیار کرے اور دنیا داری کے عذاب سے جان چھڑا لے تو اعلیٰ و ارفع مقام حاصل کر سکتا ہے۔ اس مقام تک پہنچنے کے لئے چار اصول واضح کے گئے ہیں۔ (۱) دنیا کی مصیبت (۲) اس مصیبت کی بنیاد۔ (۳) اس مصیبت کا معدوم ہونا۔ (۴) اس کو دور کرنے کا طریقہ۔

☆ دنیا کی مصیبت کیا ہے؟ پیدائش دنیا کی مصیبت ہے۔ پھر بڑھاپا، بیماری، موت اور محبوب چیزوں سے دور ہونا اور قابل نفرت چیزوں سے ملنا خواہشات کی تکمیل میں ہزاروں رکاوٹیں پیدا ہو جانا۔

☆ اس مصیبت کی بنیاد خواہشات ہیں جو ہر وقت تازہ رہتی ہیں۔ اور غبار نفسانیت کو پیدا کرتی ہیں۔

☆ اس مصیبت کو معدوم اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ خواہشات کی آگ پر قابو پایا جائے۔ لذتوں کی مسحور کن دنیا کو "تیاگ" دیا جائے۔

☆ ان دنیاوی مصائب و مہالک کو دور کرنے کا اولین طریقہ زندگی سے نفرت ہے۔ مہاتما بدھ کی فکر ہی اس پر قائم ہے کہ "بھاؤ چکر" یعنی دائرہ ہستی جو خواہش و احساس، عمل و کوشش اور نیکی و بدی کا بنا ہوا ہے کو سرے سے ختم کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں وہ مراقبات کا تصور بھی پیدا کرتا ہے۔ اس نے راہبوں کو ضبط نفس (سیل)، حواس کا موقوف کرنا، استغراق اور نفی ذاتی وغیرہ جیسے اصول و ضوابط کی تعلیم دی۔ (تمدن ہند)

حاصل بحث یہ کہ یہ سارا فلسفہ روح کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے میں تو ممد و معاون ثابت ہو سکتا ہے مگر جسمانی قوتوں کے تقاضات کو سرے سے ختم کر دیتا ہے۔ یہ فلسفہ زندگی کے منفی پہلوؤں کا مطالعہ کرتا جبکہ مثبت پہلوؤں کو چھوڑ دیتا ہے۔ جن میں برگ و گل کی رعنائیاں، ستاروں کی جگمگاہٹ، جھرنوں کی لن ترانیاں، کہکشاں کی رنگینیاں، صبحوں کی دلفریبیاں اور شاموں کے سلیٹی حسن کی جلوہ نمائیاں ہیں! کسی تلخ داستان کی طرح بھول جانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی بات فطرت کے خلاف ہے۔ چند لوگ تو اس پر عمل کر سکتے ہیں مگر عالمی معاشرے کو اس ڈگر پر چلانا دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندو معاشرے نے ہی ان بندشوں اور قدغنوں کے خلاف سر بغاوت اٹھانا شروع کر دیا۔ عوام تو در کنار پنڈتوں، پروہتوں اور دیگر مذہبی انتہا پسندوں کی عیاشیاں بھی چشم فلک سے اوجھل نہیں۔ اس مذہب کی ایک اور ستم ظریفی ملاحظہ فرمائیں جس کا اظہار گیتا نے یوں کیا ہے۔

"کوئی کام بذات خود اچھا اور برا نہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ کام کرنے والا کس ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ برہمن کھشتری ویش اور شودر کی صفتیں جدا ہیں۔ اور فرائض بھی جدا۔ یہ تقسیم ازلی اور خدائی طرف سے ہے۔ کام اچھے ہوں مگر فاعل کی ذات کے خلاف ہو جانے سے برے ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ دی گئی ہے کہ ایک شخص شمبوک شودر تھا۔ اس نے جنگل میں راہبانہ زندگی کا آغاز کیا۔ یہ ذات پات کے قواعد کے خلاف حرکت تھی۔ شودر منی شمبوک کے اس "تپ" (عبادت) کو ادھرم (بدی) کہا گیا۔ اس "پاپ" کا نتیجہ یہ نکلا کہ رام کی حکومت زوال پذیر ہو گئی۔" (تاریخ ہندی فلسفہ)

علاوہ ازیں دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ جو فلسفہ روحانی دنیا کو آباد کرنے کا عزم رکھتا ہے وہ اس کا سب سے بڑا دشمن ثابت ہوتا ہے۔ کیا ایک شودر کو عبادت کرنے پر بھی "پاپی" قرار دینا اس کی روح کے نازک پھولوں کو پامال کر دینے کے مترادف نہیں۔ ہندو تو روح پرور ہے۔ روح کو اذیت و تکلیف سے دوچار کرنا اس کا نصب العین نہیں۔

کیا بتاؤں میں ماحول کی یہ سوغاتیں
سندر کانچ کے لب ہیں اور پتھریلی باتیں

قدیم یونانی 'لاطینی اور ایرانی نظریات نے اپنی ہمت و بساط کے مطابق حیات انسانی پر بحث کی ہے۔ ہزاروں نتائج و عواقب اخذ کئے۔ ترقی و عروج کی ہوشربا راہیں ایجاد کیں۔ مگر تاریخ شاہد ہے کہ انسان کو انسان کے سامنے سربسجود ہونے سے نہیں روک سکے۔ بعض اوقات تو انسان کا سر اس قدر فرط سجود سے بھاری ہو جایا کرتا تھا کہ مٹی 'پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے بتوں کے سامنے جھک جاتا تھا۔ بڑے سے بڑا دانشور 'فلسفی اور صاحب بصیرت انسان جب بتوں کو سجدہ کرتا اور انہیں نجات دینے والے خدا سمجھتا تو ارض و سما کی چیخیں نکل آتیں۔ وہ کہتے اے انسان دیکھ! ہماری وسعتیں تمہاری کمندوں کی منتظر ہیں۔ تو نے حقیر چیزوں کے سامنے جھک کر خود کو کتنا ہلکا کر لیا ہے۔

ہم تو سمجھتے تھے تجھے عشق کی دولت دے گی
عقل بھی چھین لی تجھ سے تیری دانائی نے

یہودیوں اور عیسائیوں کا مذہبی سلسلہ اگرچہ انبیاء بنی اسرائیل کے ساتھ منسوب ہے مگر ان قوموں نے بھی الہامی تعلیمات کو چھوڑ کر نفسانی خواہشات سے آلودہ قوانین اور قواعد کا سہارا لے لیا۔ یہ لوگ تو عافیت ساحل سے واقف تھے نجانے انہوں نے کیوں ساحل پر گرداب ہلاکت کو ترجیح دی؟ ان لوگوں نے منزل کو چھوڑا تو ایسے بھٹکے کہ آج تک نجات کی کوئی راہ سجائی نہیں دے رہی۔ اس سے بڑی بدقسمتی اور کیا ہو گی کہ سورج کی شعاعوں پر تسلط جمانے والے اپنی مذہبی و اخلاقی اقدار پر چھا جانے والی گھمبیر رات کو "صبح" میں تبدیل نہیں کر سکے۔ اس کی وجہ یہ ہے "احدیت کو چھوڑ کر شرک کی راہ اپنا لینا گلشن نبوت کو تاراج کرنا 'آخرت کو یکسر بھلا دینا اور لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلاَّ اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ کی خوش فہمیوں میں مبتلا ہو جانا"۔

ان روشن نشانات کو چھوڑ کر ان قوموں نے ہمیشہ کی ذلت و گمراہی اپنے مقدر میں لکھ لی۔ افسوس

کیسے اک فرد کے ہونٹوں کی ذرا سی جنبش
سرد کر دیتی ہے بے لوث وفاؤں کے چراغ

اسلامی فلسفہ حیات

آپ کے سامنے مختلف مذاہب و نظریات کا عکس پیش کیا گیا۔ میرا دعویٰ ہے کہ کوئی مذہب و نظریہ انسانی کتاب کے سربستہ رازوں کی کماحقہ 'تفسیر و تشریح بیان نہیں کر سکتا۔ یہ غیر فطری نظریات انسانی رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ سوشلزم کو دیکھ لیں۔ بالآخر "ماں کی گود" میں ہی بری طرح پٹ چکا ہے۔ انسان عروج کی منزلیں طے کرنا چاہتا ہے۔ جبکہ یہ اسے پستی و گمراہی کی طرف دھکیل رہا ہے۔

اپنے سنگ تری ہر شے نوں نیویں پاسے لڑ والے
مینوں کوئی نہیں چنگا لگا ایہہ ورتارا پانی دا

اسلام ایک ایسا دین فطرت ہے کہ جس نے انسانی کائنات کا بھرپور تجزیہ کیا اور اصول واضح کئے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسلام اور انسان کا "خالق" ایک ہے۔ اس نے اس کی فطرت کے مطابق قوانین فراہم کئے۔ مثلاً انسان کی فطرت ہے پینا 'کھانا' جنسی خواہشات کا اظہار کرنا۔ ہندو مت اس کی اس فطرت پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ انسان مدنی الطبع ہے۔ مل جل کر رہنا پسند کرتا ہے۔ ہندو مت اسے ان رنگینیوں سے نکال کر جنگلی وحشتوں اور صحرائی ویرانیوں کی طرف مائل کرتا ہے۔ سوشلزم اس کے بالکل برعکس انسان کو محض حیوانوں کی طرح کھانے پینے اور جنسی خواہشات کی تسکین حاصل کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کے نزدیک یہی زندگی ہے آگے کچھ نہیں۔ اسلام کے آفاقی قانون کا مشاہدہ فرمائیں۔

☆ اسلام ہندو مت کی طرح کھانے پینے پر پابندی نہیں لگاتا۔ بلکہ کہتا ہے حلال چیزیں کھاؤ حرام چھوڑ دو۔ سوشلزم نظریے کے مطابق حیوان نہ بن جاؤ بلکہ میانہ روی اختیار کرو۔

☆ معاشرے میں رہنا فطرت ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ رہبانیت کوئی چیز نہیں۔ بلکہ دنیا میں رہو۔ ایک دوسرے کے حقوق پورے کرو۔ سوشلزم والوں کی طرح دنیا کو ہی اوڑھنا بچھونا مت سمجھو۔ ساتھ ساتھ آخرت کی بھی فکر کرو۔ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّفِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً۔ یہی دعا کرو کہ ہماری دنیا و آخرت اچھی ہو جائے۔

☆ جنسی خواہشات کا اظہار فطرت ہے۔ ضرور کرو۔ ہاں نکاح کر لو! بدکاری کے قریب مت جاؤ۔ کیونکہ اس طرح تمہارے معاشرے میں ہزاروں خرابیاں در آئیں گی۔ بدھ کی طرح عورت سے نفرت کرو اور نہ سوشلسٹ کی طرح جانور بن جاؤ۔

انسان کی تخلیقی و رفعتی حیثیت

نظریہ اسلام انسان کو اشرف المخلوقات کا عظیم ترین لقب عطا فرماتا ہے۔ انسان اپنی تخلیق اور مقام کے لحاظ سے قطعاً منفرد ہے۔ مثلاً خالق کائنات نے جب دوسری مخلوق کو پیدا فرمایا تو صرف کن کہا اور وہ لیکون کے لبادے میں سامنے آ گئی۔ (اِنَّمَا اَمْرُہٗ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ) مگر جب انسان کو پیدا فرمایا تو بڑا اہتمام و انصرام فرمایا ملکوتی محفل سجائی۔ اور ارادہ ظاہر فرمایا کہ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً "میں زمین میں اپنا نائب مقرر کرنے والا ہوں۔ پھر فرشتوں سے مٹی منگوائی۔ پھر خَلَقْتُ بِیَدَیَّ (یعنی انسانی پتلا دست قدرت سے بنایا) کا منظر رونما ہوا۔ فَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ (یعنی اس میں اپنی روح پھونکی) کی حقیقت ظاہر ہوئی۔ بعد ازاں علوم و فنون کا مالک بنایا اور زمین میں اپنا نائب بنا کر بھیجا۔ اس طرح انسان کو دو جہانوں (یعنی امر اور خلق) کے کمالات نصیب ہوئے۔ روح عالم امر اور جسم عالم خلق سے متعلق ہو گیا۔ عالم امر کی طرف سے دیکھنے 'سننے 'ارادہ کرنے 'اختیار و قدرت کا مالک ہونے کی صفات ملیں۔ دراصل یہ صفات اللہ کی صفات کاملہ کے کمالات کا عکس اور مظہر ہیں۔ دوسری طرف عالم خلق کی صفات کھانا 'پینا 'خواہشات وغیرہ سے متصف ہو گیا۔ عالم امر کی روشن نشانیاں جو اس خلق میں اپنی تب و تاب کھو چکی ہیں (اگر خلق کی صفتوں پر کنٹرول کر لیا جائے تو) پھر سے اپنا مقام حاصل کر سکتی ہیں اور نَظَرْتُ اِلٰی بِلَادِ اللّٰہِ جَمْعًا کی مظہر بن سکتی ہیں اگر عالم خلق کی تمام صفات کو ختم کر لیا جائے تو انسان خود کش تو بن سکتا ہے عارف راہ طریقت

نہیں۔ انسان کی روحانی و جسمانی صلاحیتوں کو جلا صرف اسلام کے ہی دم قدم سے مل سکتی ہے۔ دوسرے نظریات تو انسان کو انسان ہی نہیں سمجھتے بلکہ دیگر جانوروں کی "ارتقائی حالت" تصور کرتے ہیں۔ جبکہ اسلام کہتا ہے۔

مت سہل اسے سمجھو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے "انسان" نکلتے ہیں

انسان کی روحانی دنیا

اسلام کی رو سے انسان کی روحانی دنیا اتنی وسیع و عریض ہے کہ عرش و کرسی کی وسعتیں بھی اس کے مقابلے میں سمٹ کر رہ گئی ہیں۔ بقول حضرت باہوؒ

دل دریا سمندروں ڈونگھے کون دلاں دیا جانے ہو
وچے بیڑے وچے جھیڑے وچے ونجھ موہانے ہو
چوداں طبق دلے دے اندر جتھے عشق تمبو تانے ہو
جو دل دا محرم ہووے باہو سوئی رب پچھانے ہو

شیخ فرید الدین والملت قدس سرہ نے ایک حدیث قدسی نقل فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ سے ارشاد فرمایا لا یسعنی ارضی ولا سمائی ولکن یسعنی قلب عبدالمومن یعنی ارض و سماء کی وسعت میرے سمانے کے لئے ناکافی ہے اور بندہ مومن کا دل میرے سمانے کے لئے کافی ہے۔ مطلب یہ کہ انسان کی وسعت قلبی کے مقابلہ میں ارض و سماء تنگی داماں کا شکوہ کرتے ہیں (رسالہ گنج اسرار) خواجہ بایزید قدس سرہ فرماتے ہیں "اگر عرش اور عرش کے دائرے میں جو کچھ ہے دس کروڑ بار دل میں مومن کے گوشے میں آجائے تو اس کو احساس تک نہ ہوگا۔ سلطان باہو فرماتے ہیں "دل چیست وسیع از چہاردہ طبقات است"۔ (دل کیا ہے؟ یہ چودہ طبقات سے بھی وسیع ہے) (عین الفقر) حضرت الشیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ انسان میں "عالم خلق اور عالم امر" دونوں ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ کچھ اور وہ اس کی ہیئت وحدانی ہے جو خلق و امر کی ترکیب سے پیدا ہوئی ہے۔ اور یہ ہیئت وحدانی انسان کے سوا کسی اور کو میسر نہیں"۔ (مکتوب نمبر ۳۰۷ دفتر اول) علامہ اقبالؒ نے شیخ مجدد کا بیان لطائف خمسہ پڑھا تو کہنے پر مجبور ہو گئے "ان ارشادات میں جو امتیازات قائم ہیں ان کی نفسیاتی اساس کچھ بھی ہو اس سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ اسلامی تصوف کے اس "مصلح عظیم" کی نگاہوں میں ہمارے (انسان) کے اندرونی مشاہدات اور واردات کی دنیا کس قدر وسیع ہے۔" (تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ)۔

ہو آگاہ اپنی ہستی سے ذرا غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثال بحر بے پایاں بھی ہے

یاد رہے کہ یہ "وسعت قلبی" خالق مطلق نے ہر انسان کو عطا فرما رکھی ہے۔ بس یہی بدقسمتی ہے کہ خلق کی صفتیں روحانیت پر غالب آگئیں اور انسان یہ دولت عظمیٰ کا مالک ہوتے ہوئے بھی مفلس و نادار ہو کر رہ گیا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں؎

بھکیا بھکا کوئی نہ ہر گدڑی میں لال
گرہ کھول نہیں جاندے اس بن رہن کنگھال

اسی "دولت" کی یاد دہانی کے لئے انبیاء و مرسلین تشریف آرا ہوئے مگر اس سے مشرف وہی ہوئے جن کی قسمت کا ستارہ روشن تھا۔ جن کے آسمان مقدر پر گمراہی کی اندھیری رات نہیں چھائی تھی۔

انسان کی جسمانی دنیا

اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ یعنی تمہارے لئے میرے رسول (ﷺ) کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔ آپ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ نے شادیاں فرمائیں۔ اولاد کی پرورش فرمائی۔ دوست و احباب سے اچھا سلوک فرمایا۔ خوشی و غم کے جذبات کا سامنا کیا۔ آپ نے قانون فطرت کے دائرے میں رہ کر دنیاوی معاملات میں دلچسپی بھی لی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام انسان کو مطلقاً دنیا سے قطع تعلقی کی دعوت نہیں دیتا بلکہ اس حد تک دنیا کو اختیار کرنے کی اجازت دیتا ہے جس سے یاد کبریا میں خلل واقع نہ ہو۔ کیونکہ مقصود اتم تو وہی حسن مطلق کی کرشمہ سازیوں کا مشاہدہ کرنا ہے۔ مشاہدے کے لئے نظر چاہیے۔ نظر بصیرت اور بصارت کا تعلق صفات امر سے ہے۔ اگر صفات خلق یا خواہشات دنیا غالب آگئیں تو آدمی ختم اللہ علی قلوبھم و علی سمعھم و علی ابصارھم یا صم بکم عمی فھم لا یرجعون کا مصداق بن جاتا ہے۔ اسلام کا "مطمع فکر" ہتھ کار ولے اتے دل یار ولے" کی صورت میں رونما ہے یا یوں کہہ لیں۔

لے گویم کہ از عالم جدا باش
دلے ہر جا کہ باشی با خدا باش

سوشلزم "تن پروری" کا درس دیتا ہے۔ لیکن اسلام نے تن پروری کے ساتھ ساتھ روح پروری کی تعلیم بھی دی۔ یہ نہیں کہ انسان کھا پی کر سو رہے۔ اور مقصد تخلیق (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) کو ہی فرو گذاشت کر دے۔ اس لئے حضور فخر دو عالم ﷺ نے فرمایا ان المومنین یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعۃ امعاء یعنی مسلمان ایک آنت سے کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں سے۔ (بخاری شریف) اس حدیث میں فلسفہ حکمت کے گوہر بھی پائے جاتے ہیں یعنی مسلمان بالکل نہ کھا کر زندگی کی خوبصورت چیزوں سے بے اعتنائی کا اظہار نہیں کرنا چاہتا اور "بہت زیادہ" کھا کر جسمانی اور روحانی بیماریوں کا شکار بھی نہیں ہونا چاہتا۔ علیٰ ہذا القیاس اسلام کا ہر ضابطہ میانہ روی کو پسند کرتا ہے کنجوسی اور فضول خرچ ---- قطعی تجرد اور عیاشی ---- ست اور جلد باز نگاہ اسلام میں قابل التفات نہیں۔ مقبول وہی ہے جو احکام خداوندی کو مد نظر رکھ کر میانہ روی اختیار کرتا ہے آقائے دو جہاں کے ان حقیقت افروز قوانین کو دیکھ کر دنیا نے بہت جلد انہیں قبول کیا اور ان پر عمل کر کے اپنی بگڑیاں بنائیں۔ سب سے زیادہ لطف کی بات یہ کہ یہ قوانین لوگوں نے بغیر کسی خوف و خطر کے قبول کیے۔ جبکہ تاریخ شاہد ہے کہ دیگر غیر فطری افکار کی ترویج و اشاعت کے لئے ہزاروں انسانوں کو ظلم و جبر کا نشانہ بنایا گیا۔ ہندو اور سوشلزم کی دلخراش داستانیں لاکھوں مظلوم انسانوں کے خون سے رقم ہوتی ہیں۔ لینن کے اپنے الفاظ ہیں "بورژوا ریاستی ڈھانچے کو ڈھانا اور اس کی جگہ ایک نیا ریاستی ڈھانچہ تعمیر کرنا تشدد کے بغیر ممکن نہیں۔" (پرولتاری انقلاب) ماؤزے تنگ نے کہا کہ "ہر کمیونسٹ کو جان لینا چاہئے کہ سیاسی اقتدار بندوق کی نالی سے جنم لیتا ہے۔ اس کا پہلا کام زمینداروں کو برباد کرنا ہے۔" یہی وجہ کہ اس نظام کے ارباب و بست و کشاد نے معاشرے کی زبردست مزاحمت کو توڑنے کیلئے پندرہ لاکھ بارہ ہزار تین سو بہتر افراد کو موت کے گھاٹ اتارا۔ جبکہ بانی اسلام کے بارے میں نپولین بوناپارٹ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

"محمد (ﷺ) کی ذات ایک مرکز ثقل کی مانند تھی، جس کی طرف لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ ان کی تعلیمات نے لوگوں کو اپنا مطیع و منقاد بنا لیا تھا۔ جس نے تھوڑے ہی عرصہ میں اسلام کو آدھی دنیا میں روشن کر دیا۔ موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کے پیروکاروں نے پندرہ سو سال میں کفر کو اتنا نابود نہ کیا جتنا فرزندان حرم نے پندرہ سال میں کر دکھایا حقیقت تو یہ ہے کہ محمد (ﷺ) ایک عظیم انسان تھے۔" (بوناپارٹ اور اسلام)

اس کا سبب یہ ہے کہ اسلام آئین فطرت ہے۔ جس میں

تعصب و عناد نہیں وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہودیوں اور نصرانیوں نے اسلام کو اس لئے ٹھکرایا کہ اس کا عظیم المرتبت "بانی" اور رہبر "بنی اسرائیل" میں سے نہیں تھا۔ بعض لوگ سرداری بادشاہت اور دنیاوی مال و زر نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ مثلاً قیصر روم ہرقل اور مکہ کے بہت سے سرداروں نے اسلام کو اسی وجہ سے قبول نہ کیا۔ حالانکہ وہ حقیقت حال جانتے تھے (یعرفونہ کما یعرفون ابناھم) کی نص قطعی شاہد و عادل ہے۔ افسوس

دل نہ آئے تو گل و لالہ کی رنگینی بھی ہیچ
اور آجائے تو کانٹوں سے بہل جاتا ہے دل

(حاصل و خلاصہ یہ کہ اسلام ہی انسان کی روحانی و جسمانی دنیا کا نقشہ پیش کر سکتا ہے اور اس پر عملی پیرا ہو کر خدائی نوازشوں سے مستفیض ہوا جا سکتا ہے)

تاریخ کے دریچوں سے

معرکہ حطین

کیپٹن: شکیل احمد اعوان

سلطان ایوبی کی تلوار نے ایشیاء کو عیسائیوں کا قبرستان بنا دیا

حرف آغاز

معرکہ حطین ۲ ۳ ۴ جولائی ۱۱۸۷ء کو حطین سے دو میل جنوب مغرب "لوبیہ" کے مقام پر وقوع پذیر ہوا۔ چونکہ اس معرکہ کی انتہائی لڑائی جبل حطین اور اس کے گردونواح لڑی گئی اس وجہ سے مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان لڑا جانے والا یہ معرکہ "معرکہ حطین" یا "حطین کی لڑائی" کے نام سے مشہور ہے۔ حطین کی اس مشہور پہاڑی پر حضرت شعیب علیہ السلام کا روضہ اقدس بھی واقع ہے۔ اس معرکہ میں صلاح الدین ایوبی کی فیصلہ کن فتح در حقیقت اس وقت بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ پر قابض عیسائی حکمرانوں کے خلاف اس کی انتہائی اہم کامیابی تھی۔ لین پول بر لذیم اور دیگر کئی مورخین نے معرکہ حطین میں صلاح الدین ایوبی کی فتح کو بیت المقدس کی فتح کا پیش خیمہ قرار دیا ہے۔

تاریخی پس منظر

۱۰۹۲ء میں نامور سلجوقی بادشاہ ملک شاہ کے انتقال کے بعد حصول اقتدار کیلئے ملک شاہ کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہو گئی یہ خانہ جنگی شہزادوں کے افتراق سے پھیلتے پھیلتے سلجوقی امراء جاگیرداروں حتیٰ کہ ان کے بااثر غلاموں کے باہمی انتشار تک جا پہنچی اور نصرانیوں نے مسلمانوں کی اس اندرونی جنگ و جدل کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنی باقاعدہ فوج پیشہ ور عیسائی مجرموں اور لٹیروں کی معیت میں یورپ سے مشرق وسطیٰ کی کمزور مسلم ریاستوں پر یلغار کی اور ۱۰۹۸ء تک انہوں نے بحیرہ روم کے ساحلی شہروں الرہا اور انطاکیہ پر قبضہ کرنے کے علاوہ بیت المقدس پر بھی اپنا تسلط جما لیا۔ پھر چند ہی برسوں میں عیسائی فوجوں نے فلسطین کے ایک بڑے حصے کے علاوہ شام کے ساحلی علاقوں عکہ، طرطوس اور طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ حتیٰ کہ ۱۱۱۰ء تک ساحل بحیرہ روم پر واقع صیدا اور ۱۱۲۴ء میں صور کو بھی فتح کر لیا گیا۔

ادھر عماد الدین زنگی (جو کہ ملک شاہ سلجوقی کے ایک غلام آقسنقر کا بیٹا تھا) اپنے باپ کی وفات کے بعد الجزیرہ اور موصل کے حاکم (اور مرحوم ملک شاہ سلجوقی کے ولی عہد کے سب سے بڑے جاگیردار) کربوقا کے سایہ عاطفت میں آ چکا تھا بچپن سے جوانی تک عماد الدین زنگی نے کم و بیش پانچ سلجوقی سلاطین کے ادوار دیکھے تھے۔ ۱۱۲۴ء میں اسے بصرہ اور واسط کا حکمران مقرر کر دیا گیا۔ اور ۱۱۲۷ء میں وہ موصل اور الجزیرہ کا حاکم مطلق بن گیا۔

۱۱۳۸ء میں صلاح الدین کے والد نجم الدین ایوب نے اپنے بھائی اسد الدین شیر کوہ کے ہمراہ دریائے دجلہ کے بائیں کنارے ایک بڑی چٹان پر واقع اپنے قلعہ تکریت کو خیر آباد کہا اور موصل کی جانب روانہ ہو گیا۔ کیونکہ آج سے پانچ سال قبل ۱۱۳۲ء میں جب عماد الدین زنگی ایک معرکہ میں شکست کھا کر دجلہ کے بائیں کنارے پہنچا اور ابھی دشمن اس کے تعاقب میں تھا تو عماد الدین زنگی اور اس کے شکست خوردہ لشکر کیلئے امید کا واحد سہارا تکریت کا قلعہ دار نجم الدین ایوب تھا۔ چنانچہ اس کڑے وقت میں تکریت کے قلعہ دار نے عماد الدین زنگی کو نہ صرف کشتیوں کا بیڑہ مہیا کیا بلکہ ان کو اپنے قلعہ میں پناہ بھی دی۔ نتیجتاً آج حاکم موصل و الجزیرہ عماد الدین زندگی نے اپنے محسن نجم الدین ایوب اور اس کے چھوٹے بھائی اسد الدین شیر کو اپنے دربار میں اعلیٰ مراتب پر فائز کیا۔ علاوہ ازیں ۱۱۳۹ء میں جب نجم الدین نے بعلبک فتح کر لیا تو عماد الدین زنگی نے نجم الدین ایوب کو بعلبک کا گورنر مقرر کر دیا۔

صلیبی جنگوں کی ابتداء سلطان عماد الدین زنگی کے زمانے میں شروع ہو چکی تھی اور عماد الدین زندگی نے ابتدائی معرکوں میں الرہا کا شہر اور متعدد دوسرے قلعے عیسائیوں سے واپس چھین لئے تھے۔ لیکن ۱۴ ستمبر ۱۱۴۶ء میں ایک افسوسناک واقعہ کے نتیجہ میں سلطان عماد الدین زنگی کو سوتے میں قتل کر دیا گیا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا نور الدین زنگی تخت سلطانی پر متمکن ہوا۔ لیکن جلد ہی یہ سلطنت بھی دو حصوں میں منقسم ہو گئی۔ اور عماد الدین مرحوم کا تیسرا بیٹا سیف الدین غازی موصل کا الگ سے حکمران بن بیٹھا۔

۱۱۴۶ء سے ۱۱۷۴ء تک نور الدین زنگی نے نصرانیوں سے متعدد کامیاب معرکے لڑے لیکن دست قضا نے نور الدین کو مزید مہلت نہ دی اور بالآخر ۱۵ مئی ۱۱۷۴ء کو سلطان نور الدین زنگی خناق کے مرض کے باعث جاں بحق ہوا۔ اس کی وفات کے بعد تاج سلطانی صلاح الدین ایوبی کے سر کی زینت بنا۔ ۱۱۷۵ء سے ۱۱۸۷ء تک سلطان صلاح الدین ایوبی نے عیسائیوں اور مسلمان سازشی عناصر سے متعدد کامیاب لڑائیاں لڑیں۔ حطین کا اہم معرکہ بھی ۲/۳/۴ جولائی کو لڑا گیا جس میں فتح مندی کے بعد بیت المقدس کی بازیابی ممکن ہوئی۔

معرکہ حطین کا محرک

یوں تو معرکہ حطین کا حقیقی محرک صلاح الدین ایوبی کا وہی دینی اور ملی جذبہ تھا جس کے تحت وہ نہ صرف بیت المقدس کو نصرانیوں سے پاک کرنا چاہتا تھا۔ بلکہ تمام مسلم مقبوضہ جات کی آزادی کو بھی یقینی بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ انہی مقاصد کے حصول کیلئے جامع اور ٹھوس منصوبہ بندی کی اور معرکہ حطین اسی منصوبہ بندی کا ایک حصہ تھا۔ لیکن ایک اور اہم واقعہ جو اس جنگ کا محرک بنا وہ بحیرہ مردار کے قریب نمدلری کے مقام پر حجاج کے ایک قافلہ پر حاکم کرک کا بہیمانہ حملہ تھا۔

بحیرہ مردار جس کے قلعہ پر حاکم کرک رجینلڈ کا قبضہ تھا۔ مصر اور شام کی تجارتی قافلوں کی گزرگاہ بحیرہ مردار کے اس قلعہ کے ساتھ سے ہو کر گزرتی تھی۔ تجارتی قافلوں کے علاوہ حجاج کرام کے قافلے بھی اس شاہراہ پر رواں دواں رہتے تھے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین ایک معاہدہ امن کے تحت اس علاقہ سے گزرنے والے مسلمانوں نے تجارتی اور حجاجی قافلوں کو تحفظ فراہم کرنا اس علاقہ کے عیسائی حکمران کی ذمہ داری تھی۔

اس دور میں جبکہ حجاج کرام کے کارواں سوئے حجاز رواں دواں تھے۔ حجاج کا ایک قافلہ بحیرہ مردار کے اس قلعہ کے قریب نمداری کے مقام پر خیمہ زن تھا۔ کہ

نام نہاد رجنیلڈ نے "معاہدہ امن" کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اچانک اس قافلہ پر حملہ کر دیا اور ان کا مال و اسباب لوٹ لیا۔ جب قافلے والوں نے اس زیادتی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو رجنیلڈ نے اس قافلے پر حملہ کرنے والے کیورلری کے عیسائی رائیوں کے طعن و تشنیع کے یہ تلخ الفاظ بطور استہزا مسلمانوں کے سامنے دوہرائے۔

"چونکہ وہ (مسلمان) محمد (ﷺ) پر بھروسہ کیے ہوتے لہذا اب محمد (ﷺ) ہی آکر انہیں بچائیں۔"

اس افسوسناک واقعہ کی اطلاع پا کر صلاح الدین ایوبی نے قسم اٹھائی کہ اگر "اللہ کو منظور ہوا تو وہ معاہدہ شکن اور گستاخ رسول (ﷺ) رجنیلڈ کو اپنے ہاتھوں واصل جہنم کرے گا۔"

حقیقتاً اس واقعہ نے صلاح الدین ایوبی کی آتش انتقام کو تیز تر کر دیا اور معرکہ حطین کی شکل میں علاقہ کی سیاسی اور عسکری عیسائی برتری کو اسی شعلہ جوالہ نے بھسم کر کے رکھ دیا۔

نصرانیوں کی باہمی رقابت واخوت

تاریخی لحاظ سے واقعاتی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے تمراری کے مذکورہ بالا واقعہ کے دوران اور مابعد عیسائیوں کے اندرونی حالات پر ایک نظر ______

فلسطین اور دیگر مسلم مقبوضہ جات کا کم سن نصرانی بادشاہ بالڈون پنجم ستمبر ۱۱۸۶ء میں مر چکا تھا۔ اور فرینس کے ایک گروہ ماسٹر آف ٹمپلرز مس ۲ اسور جو سیلین آف کورتینے نے رجنیلڈ آف جو سیلین کی قیادت میں ایمارک کی بڑی بہن سبیلیا (SIBYLIA) کو تخت شاہی کا وارث قرار دیا۔ تو اس نے اپنے خاوند گائی دی لگنن کو بادشاہ بنا دیا۔ جبکہ طرابلس کے حاکم ونٹ ریمنڈ (جو کہ آنجہانی بادشاہ کا قریبی اور حقیقی وارث تھا) نے یہ بے ضابطہ قسم کی تاجپوشی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ اور اس نے ایمارک کی چھوٹی بیٹی از ابل کے خاوند ہمفرے آف تورون کو بادشاہ بنا دیا۔ ہمفرے نے اس اچانک اور غیر متوقع عزت افزائی کو مشکوک نگاہوں سے دیکھا اور سستی بادشاہی سے دستبردار ہو کر گائی کا اطاعت گزار ہو گیا۔ کاؤنٹ ریمنڈ جس نے ۱۱۸۴ء میں سلطان سے دوستی کر لی تھی اب اپنوں میں تنہا رہ گیا تھا۔ چنانچہ گائی کے متوقع حملہ کے پیش نظر اس نے صلاح الدین ایوبی سے اپنے تعلقات مزید مستحکم کر لئے۔ ادھر گائی نے ریمنڈ کی سرکوبی کیلئے جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ لیکن عین وقت پر چند مدبر عیسائیوں کی مداخلت کی بنیاد پر گائی نے ریمنڈ پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا حتیٰ کہ مارچ ۱۱۸۷ء میں مسلمانوں کی قراولی کے واقع کے دوران ہونے والی خون ریزی نے گائی اور ریمنڈ کی اختلافی خلیج کو پاٹ دیا۔ اور دونوں عیسائی حکمران اپنے اختلافات کو بھلا کر متحد ہو گئے۔

قراولی کا واقعہ

تمراری کے واقعہ کے بعد مارچ ۱۱۸۷ء میں صلاح الدین نے نصرانیوں کے خلاف باقاعدہ جہاد کا اعلان کر دیا۔ لیکن یہ اعلان نصرانیوں سے پوشیدہ رکھا گیا۔ اس اعلان کے بعد صلاح الدین کے تیز رفتار قاصد الجزیرہ' مصر' شام' اور دیار بکر کی جانب روانہ ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں مجاہدین اسلام کے دستے لشکر سلطانی میں پہنچنا شروع ہو گئے۔ اس دوران کاونٹ ریمنڈ سے دوستی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے صلاح الدین نے اپنے بڑے بیٹے الافضل کو مجاہدوں کے ایک دستے کے ہمراہ جھیل طبریہ اور اس سے ملحقہ علاقہ کی قراولی کیلئے بھیجا۔ اگرچہ اس علاقہ پر کاونٹ ریمنڈ کی حاکم داری تھی۔ سلطان کی دوستی کی وجہ سے وہ الافضل اور اس کے دستے کو روکنے کی جرات تو نہ کر سکا لیکن پھر بھی اس نے مسلمانوں کی "سیر" کو اس بات سے مشروط کر دیا کہ "مسلمان سورج غروب ہونے سے قبل واپس آجائیں گے اور آتے جاتے کسی کو تنگ نہیں کریں گے"

اس طرح چار ماہ قبل ہی قراولی کا آغاز کر کے صلاح الدین ایوبی نے معرکہ حطین کی منصوبہ بندی اور عملی تیاری شروع کر دی تھی۔

ادھر ریمنڈ نے حفظ ماتقدم کے طور پر مسلمانوں کے اس دستہ کی آمد اور روانگی کے بارے میں عیسائیوں کو باخبر رکھنے کیلئے تمام متعلقہ علاقوں میں اپنے ہرکارے دوڑا دیئے۔ اور ہر نصرانی کو تاکید کرا دی گئی کہ کوئی بھی اس مقررہ وقت میں اپنے گھر سے نہ نکلے۔ شومئی قسمت دو نصرانی سردار طبریہ کے قریبی علاقہ الفولا میں آن پہنچے۔ ادھر ریمنڈ کا ہرکارہ الفولا کے قلعہ میں اس وقت ان کے پاس پہنچا جب وہ دونوں آرام کر رہے تھے۔ ریمنڈ کا تاکیدی پیغام سن کر ان کے خون نے جوش مارا اور ۱۳۰ نائٹس اور ۳۰۰ کے قریب پیادوں کو جمع کر کے تیز رفتار میں الافضل اور اس کے دستے کی تلاش میں نکل پڑے۔ اس تیز رفتاری میں وہ اپنے ساتھ آنے والے ۳۰۰ پیادوں سے بہت آگے نکل گئے۔ اور صوریہ کے مقام پر مسلمانوں کے دستہ کو جا پہنچے۔ مسلمانوں کی قراولی گشت اس وقت اپنا مقصد حاصل کرنے کے بعد واپس جا رہی تھی۔ ۱۳۰ نائٹس نے جوش جنون میں اپنے پیچھے آنے والے ۳۰۰ پیادوں کا انتظار کئے بغیر مسلمان دستے پر حملہ کر دیا۔ ایوبی کے دلیر سپاہی نے ان کا شوق پورا کرتے ہوئے ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ یہ تھا وہ واقعہ جس نے گائی اور ریمنڈ کو متحد کر دیا۔

عیسائیوں کا ردعمل

عیسائیوں نے اس افسوسناک واقع کا ذمہ دار ریمنڈ کو ٹھہرایا۔ لیکن مسلمانوں کے خلاف مشترکہ دفاعی تدبیر اختیار کرنے کیلئے گائی اور ریمنڈ کے درمیان صلح کرا دی گئی۔ وہ دونوں عیسائی عوام کے سامنے ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے اور اس کے بعد مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری شروع کر دی گئی۔ شاہ انگلستان کی طرف سے بھیجی ہوئی خطیر رقم بھی بطور چندہ مقدس جنگ گائی کے پاس پہنچ گئی۔ المختصر ۱۲۰۰۰ ہزار نائٹس اور ۱۸۰۰۰ باقاعدہ پیادہ فوج کے علاوہ ہزاروں رضاکار پیادوں اور سواروں کے جتھے صلیب الصلبوت کے نیچے جمع ہونے شروع ہو گئے اور اس عیسائی فوج کی اجتماع گاہ صفوریہ قرار پایا۔

اسلامی لشکر کی روانگی

مارچ ۱۱۸۷ء سے جون ۱۱۸۷ء تک صلاح الدین عیسائیوں سے اپنی مرضی کے میدان اور اپنی پسند کے موسم میں جنگ کیلئے مکمل تیاری کر چکا تھا۔ چنانچہ ۲۶ جون ۱۱۸۷ء کو صلاح الدین ایوبی نے ۱۲۰۰۰ ہزار گھڑ سواروں اور متعدد پیادہ رضاکار دستوں پر مشتمل اسلامی فوج کو تیسل (Tesil) سے میدان جنگ کی جانب کوچ کرنے کا حکم دیا۔ دور ایوبی کے مشہور مورخ اور سلطان کے قاضی العساکر (Adjt General) بہاؤالدین شداد کے مطابق اس نے جمعۃ المبارک کا دن اس یقین کے ساتھ لشکر اسلام کے کوچ اور معرکوں کی ابتداء کیلئے مخصوص کر رکھا تھا۔ کہ اس دن خاص و عام کی دعائیں اور التجائیں مسلمانوں کی فتح و نصرت کیلئے خصوصی طور پر بارگاہ الٰہی میں قبول و منظور ہوتی ہیں۔

سانحہ تیسل کے بعد مسلمان فوج اخوادنا پہنچی اور یہاں ایک رات کے قیام کے بعد صنابرا کے مقام پر دریائے اردن عبور کرتی ہوئی طبریہ سے چھ میل جنوب مغرب کی طرف بڑھی اور حطین کے قریب کفر سبت (سبط) کی پہاڑیوں اور ان کے گردونواح میں خیمہ زن ہو گئی۔

دوران کوچ مسلمانوں کے جاسوسی اور گشتی دستے صفوریہ میں دشمن کے اجتماع اور حرکت کے بارے میں پل پل کی خبریں پہنچا رہے تھے۔ صلاح الدین نے کفر حبت کی پہاڑیوں پر قبضہ کر کے نہ صرف علاقے کی سب سے اہم زمین پر قبضہ کر لیا بلکہ ارد گرد کے علاقے کی دور تک دیکھ بھال کیلئے پہاڑی کی چوٹی پر ایک آبزرویشن پوسٹ بھی قائم کر دی۔

طبریہ کا محاصرہ

کفر حبت کی پہاڑیوں سے طبریہ صرف چھ میل دور تھا۔ چنانچہ قبل اس کے کہ عیسائیوں کا بڑا لشکر صفوریہ سے کو حبت کی جانب کوچ کرتا صلاح الدین ایوبی نے اپنی پیادہ فوج کو کفر حبت میں چھوڑا اور ہلکے رسالہ کے دستوں (Light Caualiry) کے ساتھ طبریہ پر حملہ آور ہوا۔ سوائے قلعہ کے طبریہ کا سارا شہر فتح ہوا۔ ریمنڈ کی بیوی جو کہ طبریہ شہر میں موجود تھی قلعہ بند ہو گئی اور اس نے قلعہ بند ہوتے ہی گائی سے جو کہ اپنے بھاری لشکر سمیت صفوریہ میں بیٹھا تھا فوری امداد طلب کی۔ طبریہ کی قسمت کا حال سنتے ہی گائی نے یکم جولائی ۱۱۸۷ء کو صفوریہ سے کفر حبت کی جانب کوچ کرنا شروع کر دیا۔ یہ خبر ملتے ہی صلاح الدین ایوبی نے کچھ دستے طبریہ کے محاصرہ کیلئے چھوڑے اور خود حطین کے قریب کفر حبت کے علاقہ میں اپنے لشکر سے آن ملا۔ اس طرح صلاح الدین نے نہ صرف اپنا عقب محفوظ کر لیا بلکہ دشمن کو بھی اپنی مرضی کے علاقہ کی طرف چلنے پر مجبور کر دیا۔

میدان کارزار کا محل وقوع

صلاح الدین ایوبی کی فوج حطین کے گاؤں کے قریب کفر حبت کی پہاڑیوں پر مورچہ بند تھی۔ یہ علاقہ سطح مرتفع تھا۔ حطین کے جنوب میں قرن حطین کے نام سے ایک مشہور پہاڑی واقع تھی جس کی بلندی سطح زمین سے چھ سو فٹ تھی۔ اور اس پہاڑی کی چوٹی سے مغرب کی سمت وہ طویل و عریض چٹیل میدان بالکل صاف نظر آتا تھا۔ جسے نصرانی لشکر کو عبور کرنا تھا۔ صفوریہ سے حطین تک کا فاصلہ دس میل طویل تھا۔ جبکہ لوبیہ صفوریہ سے نو میل کے فاصلے پر تھا۔ چنانچہ اب صلاح الدین ایوبی کی تدبیراتی حکمت عملی کے مطابق عیسائی لشکر کو نو سے دس میل کا فاصلہ ایسے میدان میں طے کرنا تھا جس کا بیشتر حصہ ایوبی کی آبزرویشن پوسٹ کی نظر میں تھا۔ اور گرمی کی شدت کے علاوہ پانی کی عدم دستیابی بھی اس پر مستزاد تھی۔ جبکہ وہ جس گاؤں کے قریب خیمہ زن تھا۔ اس کے چاروں طرف زیتون اور دیگر پھلوں کے باغات اور ٹھنڈے پانی کے چشمے موجود تھے۔ گویا انتظامی اور انواحی لحاظ سے مسلمان فوج کا پلہ بھاری تھا۔

جس مقام پر دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا جہاں تیر کمانوں سے نکلے اور تلواریں بے نیام ہوئیں وہ لوبیہ (Lubia) کے نام سے مشہور ہے۔ لوبیہ صفوریہ سے نو میل مشرق اور حطین سے دو میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔ جبکہ اس لڑائی کا آخری مورچہ قرن حطین پر جما۔ جس کی وجہ سے لڑائی "معرکہ حطین" کے نام سے مشہور ہوئی۔ ور اسی "قرن حطین" کی پشت پر نیچے جھیل گلیلی واقع ہے۔

صلیبی لشکر کی روانگی اور چلنے کی ترتیب

چونکہ صلاح الدین ایوبی نے ۳۰ جون ۱۱۸۷ء کو طبریہ پر حملہ کیا تھا لہٰذا اسی دن طبریہ میں قلعہ بند ریمنڈ کی بیوی کا پیغام گائی کو ملا اور گائی (Guy) یکم جولائی کو اپنے بھاری بھرکم لشکر کے ساتھ صلیب الصلبوت کے سائے میں صفوریہ سے اٹھا اور طبریہ کی مدد کیلئے روانہ ہوا۔ (طبریہ کا فاصلہ چھ میل اور حطین سے صفوریہ کا فاصلہ ۱۰ میل تھا۔ کل فاصلہ سولہ میل تھا۔)

عیسائی لشکر کے ہراول دستے کی قیادت صلاح الدین ایوبی کا حلیف کاؤنٹ ریمنڈ کر رہا تھا۔ جبکہ گائی قلب میں اور ٹمپلرز اور ہاسٹلز عقب میں تھے۔ سورج کی تمازت پورے عروج پر تھی۔ عیسائی فوج کے ہتھیار اور بھاری بھرکم زرہ بکتر آگ کی طرح تپ کر خود انہیں کو جلا رہے تھے۔

مسلمان رسالہ کی جارحانہ کاروائیاں :

صلاح الدین ایوبی نے پہلے قبل از جنگ ہی اچانک جارحانہ اور حرکت کے زریں اصولوں کے تحت دشمن کو ذہنی، نفسانی اور جسمانی طور پر زچ، زخمی کرنے اور تھکا دینے کی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے اپنے مقدمۃ الجیش کا ایک جانباز رسالہ راہ چلتے دشمن پر مسلط کر دیا تھا۔ جیسے ہی دشمن صوریہ سے آگے کھلی شاہراہ پر پہنچا مسلمان رسالے کے جانباز اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے کبھی دشمن کے قلب کو زخمی کرتے، کبھی اس کے عقب پر جھپٹتے اور جل دے کر نکل جاتے۔ صلاح الدین ایوبی کے اس جانباز رسالہ کی کاٹ دار ضربوں، موسم کی حدت پیاس کی شدت اور پانی کی عدم دستیابی نے نصرانیوں کے لشکر کو اتنا زچ کیا کہ بالآخر بادشاہ گائی نے لشکر کو کچھ دیر آرام کرنے کا حکم دے دیا۔ عیسائی فوج کی تھکاوٹ اور اکتاہٹ کی وجہ سے تھوڑی دیر کا آرام رات کے قیام میں تبدیل ہو گیا ادھر عیسائی فوج کا ہراول دستہ کاؤنٹ ریمنڈ کی قیادت میں کافی آگے نکل چکا تھا۔ اور وہ ہر حال میں پانی کے کنوؤں تک پہنچنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے بھی بادشاہ کے حکم پر بادل نخواستہ سر تسلیم خم کرنا پڑا۔ یہ رات بھی عیسائی لشکر کیلئے مصیبت سے کم نہ تھی پانی کو تو پہلے ہی ترس رہے تھے اوپر سے مجاہدوں کے گوریلا دستوں نے لشکر کے ارد گرد تمام جھاڑیوں کو آگ لگا دی اور ہوا کا رخ جدھر بھی ہوتا آگ کی تپش اور دھواں ادھر ہی سے عیسائی فوج کا ناک میں دم کر دیتے۔ خدا خدا کر کے یکم جولائی کا سورج طلوع ہوا اور عیسائی فوج ایک دفعہ پھر میدان جنگ کی جانب بڑھنا شروع ہوئی۔

مسلمانوں کی صف بندی

صلاح الدین ایوبی نے اپنے لشکر کو حسب معمول پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ میمنہ پر تقی الدین میسرہ پر کیکری اور قلب پر سلطان کی اپنی کمان تھی۔ جبکہ مقدمۃ الجیش اور عقب اس کے علاوہ تھے۔

معرکہ حطین کا احوال :

اگرچہ عیسائی فوج کی منزل طبریہ تھی لیکن انہوں نے اپنے مقصود کو طبریہ سے چھ میل ادھر مکمل تیاری کی حالت میں پایا۔ تھکی اور اکتائی ہوئی عیسائی سپاہ کو چھ میل کی رعایت مل گئی۔ جو یقیناً بہت بڑی رعایت تھی۔ بہر حال عیسائی فوج نے فوری صف بندی کی۔ اور ابھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ اسلامی لشکر سے تیر اندازوں کی پہلی باڑھ ابابیلوں کے طوفان کی طرح عیسائیوں پر برس پڑی۔ ایک کے بعد دوسری اور پھر تیسری باڑھ۔ مورخین لکھتے ہیں کہ ہر مسلمان تیر انداز کا ترکش تیروں سے بھرا تھا۔ جبکہ تیروں سے لدے ستر اونٹ اور چار سو فاضل گٹھے اس کے علاوہ تھے۔ تیروں کے طوفان کے بعد صلاح الدین کا مقدمۃ الجیش (ہراول فوج) عیسائی سپاہ کے نائٹس پر بجلی بن کر ٹوٹ پڑا۔ تلواریں بے نیام ہو چکیں تھیں۔ گھمسان کا رن پڑا۔ فرینکس اور نائٹس بھی تھکاوٹ کے باوجود حالت غضب میں جان توڑ کر لڑ رہے تھے۔ ۳ جولائی ۱۱۸۷ء کا سورج غروب ہوتے ہی پہلے دن کا معرکہ بغیر کسی فیصلے کے اختتام کو پہنچا۔ ۴ جولائی کا سورج اپنی پوری تمازت کے ساتھ طلوع ہوا تو فریقین کی سپاہ دوبارہ صف بستہ ہو چکیں تھیں۔ تیروں کے تبادلے کے

بعد رسالے حرکت میں آئے صلاح الدین ایوبی کا مقدمتہ الجیش دشمنوں کے رسالے کو چیرتا ہوا ان کے قلب پر جا پہنچا اسی اثناء میں اسلامی فوج کے دائیں اور بائیں بازو نے علی الترتیب تقی الدین اور ککبوری کی قیادت میں عیسائی فوج کو درمیان میں لے کر زوردار حملہ کیا۔ اسی دوران مسلمانوں کے دستے نے دشمن کی پیادہ فوج کے اردگرد اگی ہوئی خشک گھاس اور بڑی بڑی جھاڑیوں کو آتش زدہ کر کے اسے ایک بار پھر مصیبت میں ڈال دیا۔

موسم کی گرمی نے پہلے ہی میدان جنگ کو جہنم بنا رکھا تھا اس آگ کی تپش اور دھوئیں نے پیادہ عیسائی سپاہ کو بے بس کر کے جبیل گلیلی کی طرف دوڑنے پر مجبور کر دیا لیکن ایوبی کی فوج نے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیا۔

عیسائیوں کی یہ پیادہ سپاہ اپنے گھڑ سواروں سے ملاپ توڑ چکی تھی۔ چنانچہ کوئی رہ نہ پا کر قرن حطین (جبل حطین) پر چڑھ دوڑی۔ مسلمان سپاہ نے بھی ان کے تعاقب میں پہاڑی پر یلغار کر دی۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے گائی نے اپنے ہراول دستے کے کمانڈر کاؤنٹ ریمنڈ کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ ریمنڈ نے ہزاروں گھڑ سواروں کی معیت میں مسلمان سپاہ کے میمنہ (دائیں بازو) پر حملہ کر دیا جس کی کمان سالار تقی الدین کے ہاتھ میں تھی۔ (تقی الدین سلطان صلاح الدین کا عم زاد بھی تھا) جونہی ریمنڈ نے تقی الدین کی فوج پر حملہ کیا تقی الدین کی فوج نے حرکتی اصول کے مطابق نصف چاند کی تدبیراتی شکل اختیار کرتے ہوئے چشم دلرانہ مہارت اور چابک دستی سے اپنی صفیں اتنی کشادہ کیں کہ ریمنڈ اور ہزاروں گھڑ سواروں پر مشتمل عیسائی سپاہ کا ہراول دستہ مکمل طور پر ان کے گھیرے میں آ گیا۔ اور اپنی سپاہ سے مکمل طور پر کٹ گیا۔ جونہی گھیرا مکمل ہوا تقی الدین کے گھڑ سواروں نے پلٹ کر گھیرے میں آئے ہوئے عیسائی ہراول دستے پر زوردار حملہ کیا۔ اور ان کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا۔ لیکن اس دوران عیسائی ہراول دستہ کا کمانڈر ریمنڈ روایتی پھرتی اور مکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے گھیرا توڑ کر میدان جنگ سے فرار ہو گیا۔ اور اس نے صور جا کر دم لیا۔ اگرچہ فرار کے وقت کچھ مسلمان گھڑ سواروں نے اس کا تعاقب کرنے کی کوشش کی مگر وہ اس کو پکڑنے میں ناکام رہے۔

آخری مورچہ

ادھر باقی ماندہ عیسائی فوج اپنے بادشاہ گائی کی قیادت میں حطین کی پہاڑی پر مورچہ جما چکی تھی۔ بادشاہ کا سرخ خیمہ اور بڑی صلیب لشکر کے عین وسط میں پہاڑی پر ایستادہ تھے۔ مسلمان فوج نے اگرچہ دو مرتبہ پہاڑی پر یلغار کی لیکن فرینکس اور نائیٹس نے جان توڑ کر لڑائی کی اور دونوں دفعہ یلغار کو پسپا کر دیا۔ لیکن تیسری دفعہ وہ پرجوش مجاہدوں کی طوفانی یلغار کو روکنے میں بری طرح ناکام رہے۔ سرخ شاہی خیمہ زمین بوس ہو گیا اور صلیب الصلبوت مسلمانوں کے قبضہ میں آ گئی۔ بعض مورخین کے مطابق اس یادگار اور اہم معرکہ میں تیس ہزار عیسائی تہ تیغ ہوئے اور باقی اسیر تھے ایک ایک مجاہد تیس عیسائیوں کو ایک ہی رسی سے باندھے ہانکے جا رہا تھا۔ جبکہ ریمنڈ سمیت مفرور ہونے والوں کی تعداد بہت کم تھی۔

جنگی قیدی۔

یوں تو قید ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں تھی۔ لیکن بڑے قیدیوں میں بادشاہ گائی جیفرے (GuyGeoffery) اس کا بھائی اور کرک کا بد طینت حکمران رجنلیڈ (Prince Armat) جو سیلین ہمفرے (Honfroide Toron) طبریہ کے امیر کا بیٹا ریمنڈ (Raymond of Tripoli) چیف آف ٹمپلرز اور چیف آف ہاسٹلرز وغیرہ شامل تھے۔

رجنلیڈ کا انجام

فتح و شکست کے فیصلے کے بعد جب ایک بڑے خیمے میں عیسائی بادشاہ گائی اور دیگر افراد قیدیوں کو سلطان کے سامنے پیش کیا گیا تو صلاح الدین نے شاہ یروشلم گائی کو اپنے برابر جگہ دی اور اس کو ٹھنڈے شربت کا پیالہ دیا۔ گائی نے تھوڑا سا شربت پینے کے بعد پیالہ اپنے بھائی رجنلیڈ کی طرف بڑھا دیا۔ بادشاہ کی اس حرکت پر صلاح الدین نے مترجم کو کہا کہ "بادشاہ کو بتا دو یہ شربت اس نے (گائی) نے رجنلیڈ کو دیا ہے میں نے نہیں" یہ عربوں کی انتہائی ضیاضانہ رسم تھی کہ جس دشمن کو عرب اپنے گھر میں کھلا پلا دیں۔ اس کی جان سے درگزر کر دیتے تھے۔" اس کے بعد صلاح الدین نے حکم دیا کہ ان کو اس جگہ لے جایا جائے جو جگہ ان کے استقبال کیلئے مخصوص ہے۔ چنانچہ تمام شاہی قیدیوں کو مخصوص جگہوں پر بٹھانے کے بعد سلطان صلاح الدین اس دوسرے خیمہ میں داخل ہوا۔ نشست کے بعد صلاح الدین نے رجنلیڈ کو اس کے وہ اہانت آمیز الفاظ دہرا کر یاد کرائے اور کہا کہ میں ہوں جو تمہارے خلاف ناموس رسول (ﷺ) کی حفاظت کروں گا۔" بہاء الدین شداد لکھتا ہے کہ اس کے بعد سلطان نے اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ جس پر رجنلیڈ نے انکار کر دیا۔ اس پر سلطان صلاح الدین نے اپنی خم دار تلوار ہوا میں لہرائی اور اس ملعون کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اس طرح رجنلیڈ اپنے منطقی انجام کو پہنچا۔ اس کی لاش کو اٹھا کر خیمہ سے باہر پھینک دیا گیا۔ رجنلیڈ کا یہ عبرت ناک انجام دیکھ کر عیسائی بادشاہ سوچنے لگا کہ اب اس کی باری ہے۔ لیکن صلاح الدین نے یہ کہہ کر اس کا خوف دور کر دیا کہ "بادشاہوں کو قتل کرنا بادشاہوں کا شیوہ نہیں"

It is not the woyit of the kings.... to kill the kings

لیکن یہ شخص (رجنلیڈ) تمام حدود سے تجاوز کر گیا تھا۔ اس لئے میں نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ بعد ازاں اس پر بادشاہ اور دیگر امراء کو پورے احترام کے ساتھ دمشق بھیج دیا گیا۔

طبریہ کی فتح :

بہاالدین شداد رقم طراز ہے کہ دوسرے دن بروز اتوار ۲۵ ربیع الثانی مطابق ۴ جولائی مطابق ۱۱۸۷ء کو صلاح الدین طبریہ کے محصور قلعہ کی جانب روانہ ہوا۔ اور اسی دن بعد از دوپہر طبریہ کا قلعہ سرنگوں ہو گیا۔

معرکہ حطین کے نتائج

۱۔ ۱۰۹۷ء (بیت المقدس کے عیسائیوں کے قبضے میں جانے) کے بعد پہلی دفعہ عیسائیوں کو کسی معرکہ میں فیصلہ کن اور عبرتناک شکست ہوئی۔

۲۔ علاقہ میں مسلمانوں کو عیسائیوں کے خلاف موثر اور پر حکمت کامیابی حاصل ہوئی۔ اور اس کامیابی نے بیت المقدس کی بازیابی اور علاقے میں مسلمانوں کی کلی برتری کی راہ آسان کر دی۔

۳۔ اس علاقہ میں موجود عیسائیوں کی کم و بیش ساری (سیاسی و عسکری) مرکزی قیادت صلاح الدین ایوبی کی قید میں آ گئی اور اس طرح علاقہ میں مسلمانوں کے خلاف عیسائیوں کی طرف سے کسی بھی قسم کے موثر جوابی کارروائی کا امکان معدوم ہو گیا۔

۴۔ معرکہ حطین میں عیسائی فوج کی خاصی تعداد میدان جنگ میں کام آئی۔ اس طرح مجموعی سطح پر بھی عیسائیوں کی عسکری قوت کی کمر ٹوٹ گئی۔ اور علاقہ میں عیسائیوں کی عسکری طاقت کا خاتمہ ہو گیا۔

۵۔ اس معرکہ میں فتح و نصرت نے مسلمانوں کے حوصلوں کو تقویت بخشی جبکہ عیسائی ذلت آمیز شکست کی وجہ سے ہمت ہار بیٹھے اور ان کا مورال پستی میں جا گرا۔

۶۔ حجاج کرام کے قافلے عیسائیوں کی شرانگیزیوں سے ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو گئے۔

۷۔ صلیب الصلبوت مسلمانوں کے قبضے میں آ گئی۔

دور بے حیائی میں راہ نجات برائیوں سے بچنے کے طریقے

احمد صہیب قیصر

ان میں مراثی اور فحاشی کا سیلاب بہہ رہا ہے۔ گمراہ لوگوں کا شروع ہی سے یہ طریق واردات رہا ہے کہ بے حیائی فحاشی سے اور لہو ولعب سے اخلاق و کردار کا خاتمہ کر دیا جائے تاکہ قومی غیرت اور جوانمردی کے جوہر کامل ضائع ہو جائیں اور قوم دشمنوں کے لیے نرم چارہ بن جائے جسے تسخیر کرنا مشکل نہ ہو۔

بے حیائی فحاشی عریانی اور ناچ گانے زنا کے ابتدائی مراحل ہیں۔ عریانی فحاشی ایسی بلائیں ہیں جو ہر وقت منہ کھولے اپنے شکار کی تلاش میں سرگرداں رہتی ہیں۔ بے حیائی اور بے پردگی کا ڈسا پانی نہیں مانگتا۔ کپڑے پھاڑ کر دیوانہ وار بھاگتا ہے۔ تماشین لوگ بے شک صرف گانا سننے کے شوقین ہوں لیکن رقاصاؤں کی ادائیں' گانے کے شہوت انگیز بول نفس کی رگ شرارت کو چھیڑ کر گناہ پر آمادہ کر لیتے ہیں۔

اس لیے ان لہو ولعب میں حصہ لینے اور ساتھ دینے والوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ کیا ہم اپنے سینوں میں ایسے دل رکھتے ہیں جو اللہ کے خوف سے لرز جائیں اور بدی کا راستہ چھوڑ کر نیکی اور ہدایت کے راستے پر گامزن ہو جائیں۔

حضورؐ نے جب تبلیغ شروع کی تو کفار نے ایران سے رستم واسفندیار کے قصے منگوائے اور گانے بجانے والیوں کا اہتمام کیا تاکہ حضورؐ کی تعلیمات سے متاثر ہونے والوں پر اثر کو زائل کیا جا سکے۔ دنیا کی جو قوم بھی عیش وعشرت اور جنسی اوارگی کا شکار ہوئی بالآخر تباہ ہو کر رہی یہ قانون قدرت ہے اسے کوئی نہ بدل سکا۔

آ تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

سقوط ڈھاکہ کے بعد اہل پاکستان نے اپنے اینٹوں کا رخ امرتسر ٹی وی کی طرف موڑ دیا جس سے شکست کا احساس تک جاتا رہا اور بے حیائی کا عذاب اس سے بھی بڑی شکست کی صورت میں رونما ہوا۔

اسلام میں کسی کے اخلاق و کردار کو تباہ کر دینا اسے قتل کرنے سے بھی بڑا جرم ہے۔

جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں کے درمیان فحش برائی اور بے حیائی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک سزا پا کر رہیں گے۔

شرافت پاکیزگی اور اخلاق کا تقاضا ہے کہ ہم اپنے اندر حیادارانہ صفات پیدا کریں اور پھر ان صفات کے علمبردار بن کر کھڑے ہو جائیں اور ہر برائی اور بے حیائی کو بزور بازو دبا دیں وگرنہ یہ بے حیائی کا سیلاب ہمارے گھروں میں نقب لگانے میں کامیاب ہو جائے گا۔

حیاداری قائم رکھو

انسان کے اندر شرم وحیا کا جذبہ ایک فطری جذبہ ہے۔ انسان کے اخلاق و کردار کو تباہ کرنے کے لیے ہمیشہ اسی پر ضرب لگائی گئی ہے۔ شیطان نے حضرت آدم کو اسی طور بہکایا تھا کہ ان کی شرمگاہیں جو ایک دوسرے سے چھپائی گئی تھیں ان کے سامنے کھول دے۔ یعنی شیطان نے اپنے حریف کے محاذ میں ضعیف ترین مقام جو اس نے حملہ کے لیے تلاش کیا وہ اس کی زندگی کا جنسی پہلو تھا۔ شیطان اور اس کے شاگردوں کی یہ روش آج بھی جوں کی توں ہے۔ عریاں فلمیں ناچ گانے عورتوں کی اشتہار بازی اور دیگر مکروہات اسی شیطانی فعل کا تسلسل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بے شرمی کے سب کام خواہ چھپے ہوں یا کھلے حرام کیے ہیں۔

دولت کی فراوانی' وقت کی فراغت' خیالات کی پراگندگی اور دل کی کمزوری گناہوں کے محرکات ہیں۔

ضمیر کی پکار سنو!

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر خلش اور ضمیر کی طاقتیں عطا فرمائی ہیں جو اسے گناہ پر سرزنش کرتی ہیں۔ ہر جھوٹے بچے انسان کے اندر ایک سچا انسان بیٹھا ہے۔ ڈاکو خود سے پوچھے تو یہی جواب آئے گا کہ ڈاکہ گناہ ہے جرم ہے ضمیر اندر کا منصف ہے جو الٹی میٹم ہے اور احساس دلاتا ہے کہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا لیکن جب انسان ضمیر کی آواز پر لبیک نہیں کہتا اور اس کے خاموش احتجاج کو یکسر مسترد کر دیتا تو ضمیر کا احتجاج بھی آہستہ آہستہ دم توڑ دیتا ہے اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ احساس گناہ باقی نہیں رہتا۔ اس وقت سے پناہ مانگنی چاہیے جب برائی معمول بن جائے اور عادات خراب ہو جائیں۔ ایسا انسان بری عادات خراب ہو جائیں۔ ایسا انسان بری عادات باقاعدگی سے ادا کرتا ہے بھلا کچھ ٹھکانہ ہے ایسے شخص کی گمراہی کا جس کے لیے اس کا برا عمل خوشنما بن گیا اور وہ خود شریک گناہ بن گیا۔ برے بھلے کی جو تمیز' ضمیر کی طاقت' ضبط نفس کی جو قوت اسے ودیعت کی گئی تھی اور جو علم خیر وشر اس تک پہنچا تھا۔ اسے برائیوں کے نتائج سے جو واقفیت تھی ان میں سے کسی چیز سے بھی اس نے فائدہ نہ اٹھایا اور خود کو نفس کی اندھی خواہش کے سپرد کر دیا۔

اس لیے برائی کے محرکات پر گہری نظر سے محاسبہ کرنا ہوگا اور پرہیز کا عزم مصمم اور گریز کے اطوار اختیار کرنے ہوں گے۔ بدعات پختہ ہونے کی صورت میں واپسی نہایت مشکل بلکہ ناممکن بھی ہو سکتی ہے۔ بہت بڑا حادثہ اگر زندگی کا رخ بدل دے تو یہ بھی خدا کی رحمت شمار ہوگی۔

برے کام پر دل کی بے کلی پیدا ہوتی ہے جو الارم ہے کہ اس کا انجام اچھا نہ ہوگا۔ رک جاؤ۔!!

جب احساس گناہ باقی نہیں رہتا تو اس کا دل مردہ! اسے گناہ میں منہمک رکھنے کے نت نئے انداز اپناتا ہے کبھی کہتا ہے

بابر عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

کبھی سارے بڑھاپے میں نیک بن جانے کی تسلی دے کر اس کی رہی سہی مخالفت کو بھی رام کر لیتا ہے۔ ایسے انسان پر کوئی پند ونصائح تقریر وتبلیغ کارگر ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے کرو دل کی بیماریاں گھیراؤ کر لیتی ہیں۔ اسی طرح شیطانی حربے ہر روز نئے زاویے سے انسان پر وار کرتے ہیں۔ انسان خواہ کتنا ہی بہادر اور شریف کیوں نہ ہو۔ اپنی خواہشات نفس کے حملوں یک تاب نہیں لا سکتا ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان پیدا ہوتا ہے۔ شیطان خون تک میں گردش کر سکتا ہے۔ شیطان اور انسان کی اسی چپقلش کو آزمائش کہا جاتا ہے۔ شیطان کی عدم موجودگی میں کیسے پتہ چلتا کہ وہ اللہ کو ماننے والا اور اس کی رضا پر راضی ہے۔ اللہ کی پکڑ سے ڈر جاؤ۔

گناہوں سے بچنے کا بہترین نسخہ اللہ کا خوف ہے کہ وہ دیکھ رہا ہے اس کے دربار میں جواب طلبی ہوگی۔ اگر کوئی غلط کام کرنے اور سوچے کہ ابا محترم نے دیکھ لیا تو کتنی شرمندگی ہوگی۔

یہ خیال آنا چاہیے کہ اللہ دیکھ رہا ہے جو مالک ہے اور میں جس کا بندہ ہوں جس کی پکڑ زبردست اور عذاب شدید ہے۔

- صحیح راستہ پر انسان کے ثابت قدم رہنے کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے خدا یاد رہے۔ خدا سے غافل ہوتے ہی انسان اپنے آپ سے غافل ہو جاتا ہے اور یہی غفلت اسے فاسق و فاجر بنا دیتی ہے۔

حضورؐ کی مجلس میں ایک شخص آیا اور آپؐ سے کہا کہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ تیری ماں کے ساتھ کوئی زنا کرے اس نے نفی میں جواب دیا آپؐ نے فرمایا اسی طرح دوسرے لوگ بھی نہیں چاہتے۔ پھر آپؐ نے فرمایا کیا تو چاہتا ہے کہ تیری بہن بیٹی کے ساتھ کوئی زنا کرے تو اس نے پھر نفی میں جواب دیا۔ آپؐ نے فرمایا اسی طرح کوئی نہیں چاہتا کہ اس کی بہن بیٹی کے ساتھ زنا کیا جائے۔

پھر آپ نے دعا فرمائی اور اس نے اپنے ارادہ سے توبہ کی۔

اس لئے اگر کوئی یہ نہیں چاہتا کہ اس کی ماں بہن بیٹی کے ساتھ کوئی زنا کرے تو اسے دوسروں کی عفت و عصمت کی حفاظت کرنی ہوگی۔ اگر کوئی یہ نہیں چاہتا کہ اس کی بیٹی عصمت فروشی کرے تو اسے اپنے نطفے کی حفاظت کرنی ہوگی۔ اگر کوئی جسم فروش عورت سے زنا کرے گا تو اس کے بطن سے پیدا ہونے والی لڑکی اپنی ماں کی طرح عصمت فروش ہوگی اور اس کی پدرانہ نسبت اسی سے ہوگی جس کا نطفہ ہوگا اس کی بیٹی کہلائے گی۔

ارشاد خداوندی ہے کہ زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔

ہدایت کے سو نسخے یاد کرنے اور کتابیں پڑھنے سے بہتر سجدۂ بندگی ہے۔ عمل کی توفیق رب نے دینی ہے اس لئے گناہوں سے بچاؤ کیلئے رب کے حضور شدت سے رجوع کیا جائے وہ دل کی حالت بدل دے گا۔ انسان جب اللہ کو بھول جاتا ہے اور روز آخرت کی پیشی اور جواب طلبی کو فراموش کر دیتا ہے تو اخلاق و کردار میں فساد پیدا ہو جاتا ہے اس لئے رجوع اللہ اور قبر حشر کی یاد گناہوں سے بچاؤ کا موثر ذریعہ ہے۔

نگاہ کو پابند رکھو

انسان کی نگاہ شیطان کے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ انسان جو کچھ دیکھتا ہے اس کا عکس اس کے دل پر پڑتا ہے اور اچھائی برائی کا رجحان پیدا ہوتا ہے۔ انسان برائی کی طرف جلدی مائل ہو جاتا ہے اس لئے نگاہ کی حفاظت بہت ضروری ہے۔

گناہ پر ذہنی اور قلبی آمادگی نظر کی شرارت سے پیدا ہوتی ہے۔

نگاہ کو دیکھنے کیلئے بالکل آزاد مت چھوڑیں جس چیز کو دیکھنا نامناسب ہو اس سے نظر ہٹالی جائے۔ حیا خفیف پردہ ہے جو انسانیت کا زیور ہے۔ یہی پردہ ماں بہن بیٹی اور بیوی کے درمیان تفریق قائم کرتا ہے اسی پردے کو برقرار رکھنے میں انسانی رشتوں کی بقا ہے۔ یورپ کا معاشرہ اسی پردے کو تار تار کر کے خود تباہی کے دہانے پہنچ چکا ہے۔

نظر کو کنٹرول میں رکھنے کیلئے اچھائی برائی کا حقیقی تصور بیدار رکھیں برائی کو ایک نظر دیکھ کر دوبارہ دیکھیں تو یہ گناہ شمار ہوگا اور دل پر ایک داغ نمایاں ہوگا۔ اور مسلسل دیکھنے سے سراپا داغدار دل خود برائی کی تحریک بن جائے گا اور گمراہ انسان ہاتھ باندھے گناہ کی پیروی کرنے پر مجبور ہوگا۔

انسان کو اپنی نظر کے بل خود درست کر لینے چاہئیں ورنہ اللہ کے غضب کی ایک نظر بگڑی نظر کے سب بل نکال دے گی۔

ہماری ایک غلط نگاہ ہماری زندگی کو تلخ بنا سکتی ہے۔ نظر بازی آنکھ کا زنا ہے۔ اس لئے نگاہ کو ہدایت کے تابع کرنے کی مشق کرنی چاہئے۔ نظر کو آزاد خود سر اور گمراہ نہ ہونے دیں۔

نظر اس وقت تک پاک ہے جب تک یہ اٹھائی نہ جائے عورتوں کی تصاویر کو مت دیکھو یہ آنکھوں کا زنا ہے۔ فحش اور لغو گانے مت سنو یہ کانوں کا زنا ہے۔ نامعلوم گانے کی کونسی تان نفس کی رگ شرارت کو چھیڑ دے۔

خواہش نفس کی پیروی کرنا اسے خدا بنانا ہے۔ نفس اور شیطان تو گمراہی اور فحش ہی کی طرف لگاتا ہے۔

اچھی صحبت اختیار کرو

انسان پیدائشی طور پر برا نہیں ماحول اور سوسائٹی انسان کے اخلاق و کردار پر گہرا اثر ڈالتی ہے اس لئے اپنے ماحول پر نظر ثانی کر کے برے دوستوں سے بچیں۔ کیونکہ وہ ہمارا تعارف بن جائیں گے۔ جیسی صحبت میں بیٹھو گے ویسے ہو جاؤ گے۔ اس لئے اچھے اخلاق کردار کے حامل دوست پیدا کرنے ہوں گے۔

اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہہ کے اچھے دوستوں کے اخلاق و کردار کو اپنانے کی کوشش کرنی ہوگی اور چھان بین کر کے اپنے دوستوں کی بری عادات کی اصلاح کریں اگر یہ ممکن نہ ہو تو کنارہ کشی اختیار کرنا بہتر ورنہ آپ آگ کے پاس بیٹھنے سے تپش سے نہ بچ سکیں گے نمازی کا دوست نمازی بن کر رہے گا جبکہ برے دوست کی بات چیت ہی سے اس کی عادات بد حاصل ہو جاتی ہے۔

صحبت صالح الازم مگر صحبت بد سے گریز اشد الازم

اخلاق و کردار کا علم حاصل کرو

اچھی کتب زیر مطالعہ رکھیں۔ اخلاق و کردار بنانے والی ہدایات کو قابل عمل بنانے کیلئے مجاہدہ کریں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم اپنا راستہ دکھائیں گے جو کوئی اپنے عمل سے خود کو طالب ہدایت ظاہر کرے گا ضرور رحمت خداوندی سے فیض یاب ہوگا۔ یقیناً اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

تنہائی سے گریز کرو

تنہائی سے گریز کریں کیونکہ تنہائی میں شیطان کا کام آسان ہو جاتا ہے اور وہ بس اشارہ سے کثیر نفع حاصل کر لیتا ہے۔ اگر بکری گلے سے دور ہو تو اسے بھیڑیا کھا جاتا ہے اس لئے اپنے آپ کو ماحول سوسائٹی اور گھرانے سے وابستہ رکھیں۔ تنہائی اور علیحدگی مت طاری ہونے دیں۔ گلے سے بالشت بھر دوری تمہیں شیطان کی صحبت میں لے جائے گی۔

بیکار اور فارغ مت رہو

بیکار لوگوں کے دلوں میں شیطان فوراً کارخانہ کھول دیتا ہے۔ اگر اخلاق و کردار والا دل و دماغ نہ ہو تو فرصت نری گمراہی ہے۔ پختہ کرداری کے لئے ذہن کو تعمیری اور بامقصد بنانے کی ضرورت ہے خود کو مثبت سوچ اور فکر میں مصروف رکھیئے۔ جب تک اس کا دل و دماغ اچھائی برائی کے تصور سے حقیقت شناس نہ ہو جائے۔ ذہن کا توانا اور دل کا مضبوط شخص گناہ کے راستے کی دیوار بن سکتا ہے۔ اگر دل و دماغ کا رخ صحیح سمت متعین ہو تو گناہ کے امکانات زائل ہو سکتے ہیں۔

مثبت سوچ اور مصروف عمل ہونا گناہ سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ اس لئے مصروف کار رہنا چاہئے۔ انتہائی تھکاوٹ کے بعد سونا چاہئے تاکہ شیطانی وسواس اور سفلی خیالات سے بچاؤ ممکن ہو۔

نماز قائم کرو

بے شک نماز برائیوں اور بے حیائی کے کاموں سے روکتی ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر کوئی انسان برائیوں اور شیطان کے حربوں سے نہیں بچ سکتا۔ اس لئے نماز پنجگانہ کی پابندی کیجئے۔

صبح شام خصوصی ذکر کا اہتمام کیجئے۔ اللہ کی یاد سے دل تسلیم

پاتے ہیں اور تسکین والا دل شیطان کی ہنگامہ گستری کا میدان نہیں بن سکتا۔ قرآن پاک میں مفہوم ہے کہ تہجد کی نماز پڑھے کیونکہ تیسرے پہر اٹھنے سے نفس پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔

زندگی کی سب سے بڑی فتح نفس پر قابو پانا ہے۔

جو شخص کھڈے اور گڑھوں کے راستے پر چلے گا ضرور کسی کھڈ میں گرے گا۔

برائی ناسور ہے ترک نہ کرو گے تو بڑھتی رہے گی۔

تمام دنیا سے چھپ جانا ممکن ہے لیکن خدا سے چھپنا ممکن نہیں۔ کیونکہ خدا دیکھ رہا ہے۔

اس سے نجات کی بہترین صورت یہ ہے کہ جو سمجھوہ ہے اس کے برعکس عمل کیا جائے۔ اپنے ماں باپ کے بڑھاپے اور سفید بالوں اور اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو معصوم صورتوں کو نگاہ میں رکھو یہ آپ کو برائیوں سے بچانے میں معاون ہوں گی۔ ذرا سوچیں کہیں کوئی برا عمل ان کا بڑھاپا نہ خراب کر دے اور چھوٹوں پر حقیقی شفقت یہی ہے کہ ان کے لئے اچھی مثال بنو نہ کہ انہیں ناکردہ گناہ کی سزا دے۔

ان ہدایات کو سرسری طور پر پڑھ کر نہ گزر جائیں۔ ذرا ٹھہر کر سوچئے اور قابل عمل بنا کر فیضان ہدایت پائیے۔

رشتوں کا پاس کرو

کسی اخلاقی حد سے گزرنے سے پہلے ذرا رک کر سوچ لیں۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو کیا ہم کسی کے بیٹے کہلانے کے حقدار ہوں گے۔ کسی کے بھائی کہلانے کے حقدار ہوں گے کیا کوئی باپ شرابی کا باپ کہلانا پسند کرے گا کوئی بہن کسی زانی کی بہن کہلانا پسند کرے گی وہ تم سے قطع تعلق کو ترجیح دیں گے اور عاق نامے اسی کے نتائج ہیں۔

حیف ہے ایسے انسان پر جسے اپنا عیش یاد رہا لیکن رشتے اور رب کا تعلق بھول گیا۔

یاد رکھو اخلاق سے گرا ہوا فعل اور برائی انسان کو گھاس کے تنکے سے بھی ہلکا اور بے قیمت بنا دیتی ہے۔ ہر شخص کسی کا بھائی کسی کا بیٹا اور کسی کا باپ ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ کا بندہ ہے اور دین کی نسبت کا حامل ہے اس لئے برا کام نہ کرے کہ جو اسے اس کے مقام سے گرا دے اس لئے اپنے مرتبہ اور اسلاف کی حفاظت کرو اپنے مقام کا ادراک کرو۔

گھر کی افادیت سمجھو!

گھر انسانی زندگی میں جائے امان اور جائے سکون ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ گھر کی حرمت کو پامال کرتا ہے اور اپنے ٹھکانے کو قحبہ خانہ اور بازار میں تبدیل کرتا ہے۔ گھر کی نیک نامی کو برباد کر کے گھر کو تباہ کرنے کے درپے ہے جو شخص اپنے گھر کو ناپاک کرے جو اس کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کے سر پر چھت ہو۔ ایسا شخص اس قابل ہے کہ اسے گھر رہنے کا حق حاصل ہو۔

گھر کی افادیت کو سمجھنے کیلئے اور اس کے احترام کو قائم رکھنے کیلئے کبھی فٹ پاتھ پر سو کر دیکھیں۔ یقیناً گھر کے مقام جائے امان اور جائے سکون ہونے کا احساس تب ہی ہو سکے گا اور ہر کوئی گھر کے احترام کو خود پر لازم کر سکے گا۔

آیئے ذرا سوچیں اگر بدکرداری کا راز فاش ہو تو عین ممکن ہے کہ گھرانہ کا وہاں رہنا ناممکن ہو جائے جائیداد کا سول گر جائے آیئے ذرا سوچیں اگر بدکرداری کا راز فاش ہوا اور بہن کی شادی کیلئے رکھی ہوئی رقم عدالتوں اور تھانوں کی نذر ہو جائے ذیئے ذرا سوچیں نہیں بدکرداری بہن کے رشتہ میں رکاوٹ بن جائے تو باپ کی نیک نامی داغدار ہو اور گھر کی ساکھ پارہ پارہ ہو جائے۔

علیٰ ھذا القیاس بدکرداری گھرانے کی تباہی کے اسباب ہی پیدا نہیں کرتی۔ بلکہ مال و اسباب جاہ و وقار کا بھی اجاڑ خانہ ہے۔ ایسی صورت میں زندگی ہی سے فرار میں نجات نظر آتی ہے۔ بسا اوقات بوڑھے والدین اس دکھ کو لئے دنیا سے کوچ کر جاتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ عزت کی تذلیل کے راستے جنازگاہ کی طرف جاتے ہیں اور بعض خودکشی کے مشاہدات ہمارے لئے درس عبرت ہیں۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

لعنت بھیجئے ایسے گناہ پر جس کے اتنے بھیانک نتائج ہوں لاحول کی تسبیح کا اہتمام کیجئے۔ رب کائنات سے امن عافیت اور نجات طلب کیجئے' دعا کیجئے' یا اللہ میں تیری رحمت کا امیدوار ہوں پس مجھے ایک لحہ کیلئے بھی میرے نفس کے حوالے نہ کر جوانی کے بے لگام گھوڑے کو قرار آ جائے گا۔

خلاف اخلاق و فطرت افعال سے پرہیز انسانیت کا تقاضا ہے۔

نشہ باز اپنی بیوی بہن اور بیٹی کی عصمت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ اپنے نشہ کی خاطر بہن بیٹی کی عزت کو داؤ پر لگا دے۔

عقل کا تقاضا ہے کہ مرد عاقل ہوشیار اور محتاط زندگی گزارے۔

جو برائی سے دشمنی کرے اور پاک دامن رہے وہی پکا دیندار ہے۔

ہوس و شہوت کی جڑ کاٹنا مقصود نہیں بلکہ اسے حدود و قیود کا پابند کرنا شان مومن ہے۔

برائی میں معاونت مت کرو

بری اولاد ماں باپ کے دونوں جہان بگاڑ دیتی ہے۔ نہ زندگی میں کار آمد نہ آخرت میں باعث نجات۔ ماں باپ کی آرزوئیں دھری رہ جاتی ہیں اور وہ الٹے ان کے لئے باعث صد ہزار رسوائی بنتے ہیں۔

جو اولاد اپنے بڑوں کی بری حرکات ان کے عمل کی وجہ سے اختیار کرتی ہے ان سب کا گناہ بڑوں کو بھی ہوتا ہے۔

جو شخص برا طریقہ جاری کرے گا اس پر اپنے کئے کا بھی گناہ ہے اور جتنے آدمی اس پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی اس پر لازم آئے گا۔ سینما بنوانے والا ہر تماشبین کے گناہ میں سے حصہ لے گا اس طریقہ سے انسان کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہو جاتے ہیں۔

قرآن پاک میں مفہوم ہے کہ وہ دو بوجھ اٹھائیں گے ایک خود گمراہ ہونے کا اور دوسرا بوجھ دوسروں کو گمراہ کرنے کا یا گمراہی پر مجبور کرنے کا۔ دنیا میں جو انسان بھی ظلم کے ساتھ قتل کیا جاتا ہے اس کے خون ناحق کا ایک حصہ آدم کے اس پہلے بیٹے کو پہنچتا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔ کیونکہ قتل انسان کا راستہ اس نے کھولا اسی طرح ایک زانی کی تعلیم و تربیت' صحبت' بری مثالیں اور جن کی ترغیبات سے زنا کاری کی صفت نے ظہور کیا وہ سب اس کے زنا کار بننے میں حصہ دار ہیں اور ان حصہ داروں نے یہ قبیح عادات جہاں سے پائیں وہاں تک۔ اس کی ذمہ داری پہنچتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ سلسلہ اس اولین انسان تک پہنچتا ہے جس نے سب سے پہلے نوع انسانی کو زنا کاری کا راستہ دکھایا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ برائی میں تعاون نہ کرو۔ تعاون کرنا برائی کو جاری رکھنے کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ اگر کوئی فحش دیکھنے میں جاتا ہے تو تماش بینوں کی بھیڑ سینما کی مقبولیت اور فحش کو جاری رکھنے میں تعاون کا ذریعہ ہے اس لئے اس گناہ سے توبہ استغفار کرنی چاہئے اور فحش میں مددگار بننے سے تائب ہو جانا چاہئے۔

اپنے اسلاف کی وراثت کو سنبھالنے اور اس سے صحیح

فائدہ اٹھانے کیلئے کردار کی پختگی بہت ضروری ہے۔ بدکردار وارث آبا کی چھوڑی ہوئی جائیداد اجاڑ دیتے ہیں۔

"حرام مال سے پرہیز کرو

انسان عموماً دھوکہ فراڈ رشوت' چوری' حق غصب' اولاد کی زندگی بنانے کیلئے کرتا ہے اس لئے قرآن مجید میں مفہوم ہے کہ اولاد فتنہ ہے۔ دیکھنا کہیں اولاد کی زندگی بناتے بناتے اپنی آخرت نہ خراب کر بیٹھنا اور دنیا میں بھی ذلت خواری کا عذاب آ سکتا ہے۔

جس اولاد کے لئے انسان اپنی آخرت خراب کرتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ قیامت والے دن اولاد اپنے باپ کے خلاف خدائی عدالت میں کہے گی یا اللہ تو اس سے ہماری داد لے۔ ہم بے خبر تھے اس نے ہمیں حرام کھلایا (کم وبیش مفہوم)

بعض اوقات بیوی کی ناجائز فرمائش انسان سے غلط کام کروا دیتی ہیں۔ اس سے گریز ایمان کا تقاضا ہے رزق حلال کماؤ جس میں برکت ہو۔ حرام جیسے آتا ہے ویسے اڑ بھی جاتا ہے۔

حضورؐ نے فرمایا! تم مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے دو میں اللہ سے جنت کی ضمانت لے دوں گا۔

ایک جنگ سے واپسی پر سرکار مدینہ نے فرمایا کہ ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے۔

نبیؐ نے ایک نوجوان کے نفس پر قابو پانے کے بارے میں ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا اگر نان نفقہ کی استطاعت رکھتے ہو تو فوراً شادی کر لو اگر نہیں تو مسلسل روزے رکھو تا کہ نفس پر ضبط رہے۔

اگر نکاح کا موقع نہ ہو تو عفت مابی اختیار کرنی چاہئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے غنی کر دے۔ بچیاں جب سن بلوغ کو پہنچ جائیں تو فرائض سے سبکدوش ہونے کی فکر کرنی چاہئے اور نیک بچوں کو محض غریب اور کم ذات ہونے کی وجہ سے مایوس نہیں کرنا چاہئے جو لوگ بہتر کی تلاش میں رہتے ہیں وہ اپنی اولادوں پر ظلم کرتے ہیں جس کے بھیانک نتائج ہزاروں کنواریاں گھر بیٹھے بوڑھا ہونے کی شکل میں نمایاں ہیں۔ شادی میں دیری اسی قباحت کی وجہ سے ہوتی ہے اور ایسی کنواریاں بعض اوقات معصومیت اور عصمت کی گلی سڑی لاش کا روپ دھار لیتی ہیں اس کا ذمہ دار معاشرے کا جھوٹا حسب نسب ہوتا ہے۔

انسان شادی آوارگی اور گناہ سے بچنے کیلئے کراتا ہے۔ شاید کے اس کے ذریعے مباشرت جائز طریقہ ہے۔ شادی حصول اولاد کیلئے کی جائے تا کہ مرنے سے پہلے جائیداد و اسباب کو سنبھالنے والے موجود ہوں۔ شادی کے بعد کے حالات اس مقصد کو پورا کریں۔ بصورت دیگر راہ نجات اختیار کر کے عقد ثانی کے ذریعے عفت مابی اور پاکیزگی حاصل کرے اور جنسی آوارگی اور بے راہ روی سے بچے۔

زنا کی سزا

اسلام میں زانی مرد اور زانی عورت کی سزا سو کوڑے ہے اور شادی شدہ ہونے کی صورت میں زنا کی سزا رجم ہے۔ یہ کوڑے، رجام مارنے کا حکم آیا ہے تا کہ مجرم کو نصیحت اور لوگوں کو عبرت ونصیحت ہے اور یہ گناہ مسلم معاشرہ میں پھیلنے نہ پائے۔

مرد عورت ایک دوسرے کا لباس ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میری بیوی میرے اور جہنم کے درمیان پردہ ہے۔

پردہ داری کے احکامات

ایک عورت ستر مردوں کو جہنم میں لے کر جائے گی عورتوں کی بے پردگی جوانوں کی تباہی کا بڑا سبب ہے۔

اسلام نے عورت کے پردہ کو بڑی اہمیت دی ہے تا کہ فحاشی اور برائی کا خاتمہ کیا جائے۔

اس لئے مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوں جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو۔ اجنبی کو چاہئے کہ بے حجابانہ کسی گھر کے سامنے کھڑا مت ہو بلکہ دروازہ سے ہٹ کر کھڑا ہو۔ اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دیدی جائے۔ اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ پوچھنے پر اپنا نام بتاؤ۔ عورتوں کیلئے حکم ہے کہ وہ پردہ میں رہیں ایسا لہجہ اختیار کریں کہ دل کی کمزوری والا شخص کسی شک میں نہ پڑے۔ بناؤ سنگھار نہ دکھائیں اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ پاؤں مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہو اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ عورتیں اگر اس پر عمل کریں تو ستائی نہ جائیں۔ سادہ اور حیادار لباس سے دیکھنے والا جان لے کہ وہ شریف اور باعصمت عورتیں ہیں اور کوئی بدشوگونی نہیں کرے گا۔ بے پردہ عورتیں مت بھولیں کہ وہ مردوں کی گمراہی کا سبب ہیں۔

عطائے بے بہا

اپنی نگاہ اور دل، دماغ سے صحیح کام لو۔ یہ عطائے بے بہا ہیں۔ ہزاروں روپے کی عینک خریدی جا سکتی ہے لیکن آنکھوں کا نور انمول ہے۔ کروڑوں میں بھی نہ ملے گا۔

شکر نعمت یہ ہے کہ ہر عضو سے اچھا کام لے اور حق ادا کرے اگر کوئی اعضائے جسمانی سے خلاف وضع کام لے گا تو ہو سکتا ہے کہ عطا کرنے والا اپنی نعمت واپس لے لے اور کوئی دوسرا نہیں جو دے سکے۔ یا تم خرید سکو۔ اپنے جسم کے ہر عضو کی حفاظت کرو اسے خالق کے منشا کے مطابق استعمال کرو۔ یہی حقیقت میں شکران نعمت ہے۔

برائی کے ذریعے اپنے گردوں پر ناجائز بوجھ مت ڈالو۔ لاکھوں روپے کے مول پر گردوں کے خریدار موجود ہیں۔ اپنا خون کسی مستحق کو دے کر جان بچاؤ اور جنت کے حقدار قرار پاؤ۔ اپنے اعضاء اور صلاحیت فضول ضائع مت کرو۔

اگر کوئی گناہ پر آمادہ ہے تو ایسی جگہ تلاش کرے جہاں خدا نہ ہو۔

گناہ اتنا کر جتنا تجھ میں عذاب سہنے کی طاقت ہے۔

آئنہ دیکھو اور اچھی صورت کو برا کام کر کے خراب مت کرو۔

لمحہ فکریہ

وی سی آر پر بے ہودہ اور لغو فلم دیکھتے ہوئے ان گمنام شہیدوں کو ذرا یاد کر لیں جنہوں نے اپنا سب کچھ ہمارے لئے قربان کر کے ہمیں یہ جائے امان مہیا کی۔ ہم نے جسے عیاشی کا اڈہ سمجھ رکھا ہے ان ستر ہزار ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کو بھی یاد کرو۔ جو آج بھی بمبئی کے بازاروں میں ہماری آزادی کے جرم کی سزا بھگت رہی ہیں۔ آؤ سوچیں یہ آزادی اور یہ وطن کس کا فیض ہے۔ دوستو یہ وطن پاک مسجد کی مانند ہے اسے ناپاک نہ کرو۔ اے وی سی آر تیرا شکریہ تو نے باپ کے ہاتھوں بیٹی کی عصمت کو پامال کیا۔ بھائی کے ہاتھوں بہن کی توہین ہوئی تو نے آزاد شہوت رانی اور فحاشی کو فروغ بخشا۔ تیرے شاہکار ہر روز شہ سرخیوں سے اخباروں میں چھپتے ہیں۔ قریب ہے کہ زمین پھٹ جائے۔ آسمان ٹوٹ پڑے اور قیامت آ جائے۔

دوستو! بے ہودگی سے تائب ہو جاؤ شاید جائے امان پالو ورنہ ایڈز کا اژدھا منہ کھولے اب ہماری طرف ہی تک رہا ہے اور ہم عیاش قوموں کا تھوکا چاٹ رہے ہیں۔ یورپ کی اندھی تقلید نے ہمیں تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ ان کی تہذیب اپنے خنجر سے خودکشی کر رہی ہے۔ ان کا معاشرہ اندر سے کھوکھلا

انحطاط کا شکار انسانی عظمت سے خالی، بے بسی کے عالم میں تڑپ رہا ہے اور ہم عبرت پکڑنے کی بجائے نقالی کر رہے ہیں جنسی بے راہ روی کی جو چنگاری یورپ نے پھینکی آج خود ان کا معاشرہ اسی آگ میں جل رہا ہے۔

آج جو لوگ مغرب کی جنسی آوارگی کی اندھی تقلید کر رہے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ انسانی شرم و حیا خاتمہ کر کے اور جنسی آوارگی کو فروغ دے کر یورپ معاشرے کو قتل کرنے کے درپے ہیں۔ ہر ڈاکہ، زنا، قتل، اغوا میں ان کا حصہ شامل ہے۔ فلموں کے مکروہ کاروبار میں شریک لوگ جس آگ کو ہوا دے رہے ہیں اسی آگ میں ان کے بہن بھائی اور بچے بھی جل کر خاکستر ہو سکتے ہیں۔ یاد رکھیں یہ بے حیائی پھیلانے کی آگ دنیا میں بھی ایسے لوگوں پر شعلہ زن ہو گی اور آخرت کی آگ کا تصور ہی ہولناک ہے۔ خدارا چند ٹکوں کی خاطر اپنے ملک و قوم اور گھر کو تباہ نہ کریں اس سے پہلے کہ موت آ کر توبہ کا دروازہ بند کر دے۔ بے حیائی اور فلموں کے کاروبار سے تائب ہو جائیں اور خدا کے حضور بے حیائی پھیلانے کی معافی مانگیں۔

برائیوں کے نقصانات

جب انسان کوئی گناہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ التفات اس سے ہٹ جاتی ہے۔ زندگی سے برکت اور آسودگی ہٹالی جاتی ہے۔ گناہگار رب کی رحمت سے دور ہو کر بے آسرا اور بے سہارا ہو جاتا ہے اور گناہوں سے اپنی دنیا اور آخرت خراب کر بیٹھتا ہے۔

زندگی ایک بوجھ بن جاتی ہے وہ جسم میں معذور عضو اور معاشرہ میں بیکار فرد کی طرح ہوتا ہے۔ ضمیر کا مجرم بن کر آدمی بزدل ہو جاتا ہے۔ بے اعتمادی اس کے دل میں گھر کر لیتی ہے۔ لوگوں سے خائف رہتا ہے۔ رفشائے راز عشق سے اس کی شخصیت بکھر جاتی ہے۔

جنسی بے راہ روی سے انسان بے کار اور بے مقصد زندگی گزارتا ہے۔ برائی انسان کی صحت کو بیماری کی طرح چاٹ لیتی ہے۔ عریانی، فحاشی میں مبتلا شخص آزاد شہوت رانی کرنے لگتا ہے جس سے حیا کے ساتھ جنسی طاقتوں کا جنازہ بھی نکل جاتا ہے۔ نیک کام کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ ایسا شخص آنے والی نسل کیلئے بھی بدشگونی کا سبب ہوتا ہے۔

لچر اور فحش فلمیں حیاء کے پردے کو تار تار کر دیتی ہیں۔

گناہ سے توبہ

قرآن پاک میں مفہوم ہے کہ برائی کو اس طریقے سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ یعنی صدقات، خیرات، نماز، دعا اور توبہ اور رجوع اللہ کے ذریعے برائی کو دفع کیا جا سکتا ہے۔ لیکن قلبی رجوع یعنی طلب صادق شرط ہے۔ بگڑی عادتیں متبادل ذرائع سے ہی درست کی جا سکتی ہیں۔ توبہ کے ساتھ حلال ذرائع تلاش کئے جائیں۔ محبت کی بیماری کا ایک ہی علاج ہے اور وہ ہے شادی۔ اگر شادی کرنے سے وہ صحت یاب نہیں ہوتا تو کوئی چیز اسے صحت یاب نہیں کر سکتی۔

اس وقت سے پناہ مانگنی چاہئے جب کوئی بدعادت پختہ ہو کر ہدایت کا دروازہ بند کر دے۔

اگر طبیعت گناہ پر آمادہ ہے اور بچنا مشکل نظر آتا ہے تو صدقہ ادا کرو۔ مسکین کو کھانا کھلا کر رب سے مدد کی درخواست کرو۔ وہ دل و دماغ کو پلٹتا جاتا ہے۔

انسان اپنے گناہوں کے سبب مصیبت اور پکڑ کا شکار ہو جاتا ہے جو اس کی اصلاح احوال کے محرکات ہوتے ہیں۔ ایسے موقع پر توبہ کا دروازہ کھلا ہوا موجود ہے۔ بابر نے شکست کھا کر شراب سے توبہ کی اور فتح پائی۔

صدقات کی نیت، نماز کی پابندی، نوافل کا اہتمام یتیموں پر شفقت کے ذریعے رحمت خداوندی جوش میں آتی ہے۔ وہ ڈھیل دیتا اور معاف کرنے والا ہے۔ دلوں کی کیفیات موڑتا جاتا ہے۔ استغفار اور توبہ سے اپنی اصلاح کرو اور رب کی پکڑ سے نجات پاؤ اور رحمت خداوندی کو حاصل کر کے فیض پاؤ۔

دل میں کوئی اس طرح کی آرزو پیدا کروں لوٹ جائے
آسماں میرے مٹانے کے لئے

اولاد کی تربیت اور ماں باپ کی ذمہ داریاں

زندگی کی بنیاد بچپن میں رکھی جاتی ہیں۔

آج کے بچے کل کا معاشرہ ہیں اور معاشرہ کا فعال عنصر بھی ہو سکتے ہیں اس لئے ان کی تربیت اور اچھے ماحول کا اہتمام کر کے معاشرہ کو اصلاحی اور فائدہ مند بنائیں۔

اولاد کی صحیح تربیت نوافل میں مشغول ہونے سے بہتر ہے۔

قیامت والے دن اولاد اللہ کی عدالت میں ماں باپ کے خلاف مقدمہ کرے گی کہ ہماری گمراہی کے ذمہ دار یہ ہیں انہوں نے ہمیں تعلیم و تربیت سے محروم کر کے ہدایت سے محروم رکھا۔

قرآن مجید میں مفہوم ہے کہ دس برس کا ہو تو نماز نہ پڑھنے پر بچے کو مارا جائے۔ ہر بھلائی کی تلقین و ترغیب دی جائے۔ برائیوں سے بچنے کی ہدایت اور رہنمائی کی جائے۔ قرآن پاک کی تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔ ماں باپ کو بچوں کی تربیت سے غافل نہیں رہنا چاہئے۔ بچوں کی ذہنی، جسمانی اور اخلاقی تربیت کے علاوہ دینی تعلیم کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔ ان کے دوست اور سوسائٹی سے آگاہ رہیں۔ تاکہ کسی بدعادت کے امکانات کو رد کیا جا سکے۔

عمر کے ایک خاص حصے میں جب سن شعور سن بلوغت میں بدلتا ہے۔ بچہ خصوصی توجہ اور دلچسپیاں مانگتا ہے اگر اسے ایسے وقت مصروف عمل رکھنے کے اسباب نہ کئے جائیں تو جو تغیر اس کے جسم میں برپا ہے اسے غلط ڈگر پر ڈال دے گا اور پھر بات سنبھالے نہ سنبھلے گی۔ جو بعد میں اپنی نسل کے لئے بدشگونی کے بھیانک نتائج پیدا کرے گا۔

بچوں کو بری عادات کے بھیانک نتائج سے آگاہ کرنا ماں باپ کی ذمہ داری ہے۔

ماں باپ کو بچوں کے ذہنی میلان کو سمجھنا چاہئے اور بامقصد تفریح کا اہتمام کرنا چاہئے تاکہ وہ سستی اور بے مقصد تفریح کی تلاش میں اپنی صلاحیتیں خراب نہ کر بیٹھیں۔

جہان کتاب

تبصرہ نگار غلام دستگیر احمد

اسلامی معلومات اور اصلاح کے لئے اچھی کتاب پڑھنا ایک مسلمان کا اولین روحانی تقاضا ہے۔ اس سلسلہ میں صحیح العقیدہ اداروں سے تعاون کیجیے۔ تبصرہ کیلئے کتاب کے دو عدد نسخے مجلہ الحقیقت کے پتہ پر ارسال کریں۔

☆ **تبرکات حرمین** :۔ شاعر اسلام، نگران مجلہ الحقیقت حضرت پروفیسر محمد حسین آسی صاحب نقشبندی مدظلہ العالی نے حج و زیارت کا شرف حاصل کیا اور وہاں بیت اللہ شریف اور گنبد خضریٰ کی روپہلی چھاؤں میں بیٹھ کر حمد و نعت کے خوبصورت گجرے بنے۔ حمد و نعت کے اس مجموعے کا نام "تبرکات حرمین" ہے۔ جو کہ لاثانی بک سنٹر نے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہدیہ ۱۵۰ روپے

☆ **ہر لحظہ نیا طور** :۔ یہ کتاب مرتب مجلہ الحقیقہ مولانا غلام مصطفےٰ مجددی ایم اے کے کلام حمد و نعت کا ایمان افروز مجموعہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور اس کے محبوب پاک کی مصطفائی کے گن گائے گئے ہیں اس کتاب کو نہایت دیدہ زیب صورت میں زاویہ پبلشرز دربار مارکیٹ لاہور نے شائع کیا ہے۔ ہدیہ ۷۰ روپے۔

☆ **حضور کے والدین** :۔ اس ایمان افروز کتاب کو حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی صاحب مدظلہ العالی نے دلائل و حقائق کی روشنی میں تحریر فرمایا اور نہایت دل آویز انداز میں حضور سیدنا عبداللہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہما کے حسن ایمان اور خوبی اعمال کو ثابت کیا۔ یہ کتاب اہل ایمان کیلئے سرمایہ یقین ہے۔ وہاں اہل عداوت کیلئے تازیانہ تقدیر ہے۔ ٹائیٹل مزار سیدہ آمنہ کی تصویر سے مزین ہے۔ کتابت اور اشاعت بہت عمدہ ہے۔ ہدیہ ۲۰ روپے ملنے کا پتہ ادارہ تعلیمات مجددیہ ارشد لائبریری ریلوے روڈ شکر گڑھ (نارووال)

☆ **لاثانی شخصیتیں** :۔ یہ کتاب خلفائے راشدین اور حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کے حالات و کمالات پر مشتمل ہے۔ زبان سادہ ہے، بچے اور کم تعلیم والے افراد بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اس کو مولانا غلام مصطفےٰ مجددی ایم اے نے تحریر کیا۔ اور ادارہ تعلیمات مجددیہ ریلوے روڈ شکر گڑھ نے شائع کیا۔ ہدیہ ۱۰ روپے۔

☆ **رحمتہ للعالمین کے مکتوبات** :۔ حضور رحمتہ للعالمین ﷺ نے مختلف حکمرانوں کے نام مکتوبات ارسال فرمائے کہ وہ ایمان کی روشنی قبول کر کے کفر کے اندھیروں سے باہر آجائیں۔ اس کتاب میں ان مکتوبات شریفہ کو نہایت تحقیق جستجو سے درج کیا گیا ہے۔ یہ کارنامہ مولنا صاحبزادہ محبوب حسین نوشاہی نے سرانجام دیا۔ ملنے کا پتہ ادارہ تعلیمات مجددیہ ارشد لائبریری ریلوے روڈ شکر گڑھ ہدیہ ۱۰ روپے۔

☆ **یا غوث** :۔ اعلیٰحضرت فاضل بریلویؒ نے حضور تاجدار بغداد کی خدمت میں ۱۰۰ اشعار پر مشتمل استغاثہ پیش کیا ہے۔ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت پرفیسر محمد حسین آسی اور مولنا غلام مصطفےٰ مجددی حفظھما اللہ تعالیٰ نے مختلف قافیوں میں حضور تاجدار بغداد کی شان و عظمت بیان کی اور آخر میں استغاثہ پیش کیا یہ خوبصورت کلام محبت ادارہ تعلیمات مجددیہ ارشد لائبریری ریلوے روڈ شکر گڑھ نے شائع کیا۔ ہدیہ ۱۰ روپے۔

☆ **مجدد الف ثانی** :۔ یہ کتاب مولانا غلام مصطفیٰ مجددی نے حضرت مجدد الف ثانی کے کردار و افکار پر رقم کی ہے۔ اپنے موضوع پر نہایت جامع اور بہت مفید ہے اسے ادارہ تعلیمات مجددیہ ریلوے روڈ نے شائع کیا۔ ہدیہ ۱۰ روپے۔

مجدد الف ثانی کا فیصلہ

(مراسلہ مولانا غلام دستگیر احمد)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونے کے بعد امام ابو حنیفہ کے مذہب پر عمل کریں گے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کے موافق ہوگا، نہ کہ وہ ان کی تقلید کریں گے، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ علمائے امت میں سے کسی کی تقلید کریں، حقیقت یہ ہے کہ اگر تعصب کی عینک اتار کر انصاف اور حقیقت پسندی اور کشفی نگاہ سے دیکھا جائے تو حنفی مذہب کی نورانیت بڑے دریا کی مانند دکھائی دیتی ہے۔ اور دوسرے مذاہب کی حوضوں اور نالوں کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ اور ظاہری طور پر بھی یہ بات دکھائی دیتی ہے۔ کہ اہل اسلام کی اکثریت امام اعظم کی پیروی کرتی ہے۔ (دفتر دوم مکتوب)۔

⁂

جادو گر

ایک بدوی چور جس کا نام موسیٰ تھا کسی کی درہم بھری ہوئی تھیلی چرا کر مسجد میں گیا اور تھیلی ہاتھ میں لے کر آستین سے چھپائے ہوئے جماعت میں شامل ہو گیا۔ اتفاق سے امام صاحب نے الحمد کے بعد یہ آیت پڑھی۔ " وما تلک بیمینک یا موسیٰ (اے موسیٰ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔ تھیلی پھینک کر مسجد سے بھاگا اور کہا کہ اے امام خدا کی قسم تو یقیناً بہت بڑا جادوگر ہے (مستطرف ج ۲ ص ۲۳۳)

انسانیت کے لیے آخری اور اَبدی پیغامِ ہدایت

تحریر: حضرت علامہ سید محمد ہاشم فاضل شمسی مدظلہ

دین اور بے دینی کا تصادم جو آج نظر آ رہا ہے تاریخ کا کوئی نیا اور اتفاقی حادثہ نہیں ہے۔ آغاز عہد انسانی سے آج تک ایسے مقابلے ہمیشہ ہوتے رہے۔ کفر و اسلام' حق و باطل' دین بے دینی خیر و شر' صدیقی و بوجہلی' ہابیلی و قابیلی کے درمیان معرکہ آرائیاں مشہور ہیں جن کے دار و گیر کی گونج آج گنبد بے در میں سنائی دے رہی ہیں۔ حق پرستوں نے جب بھی تیرگی ضلالت دور کرنے کے لیے چراغ ہدایت روشن کیا۔ طاغوتی حشرات اس کے اردگرد سمٹ آئے اور اکثر مارہائے آستین نے اپنی پھنکاروں سے اس کو بجھانے کی کوشش کی لیکن یہ مذہب کا اعجاز اور بے اندازہ قوت دماغ کا نتیجہ ہے کہ مخالفت کے طوفان اور عداوت کی آندھیوں میں بھی ہزاروں سال پرانے مذاہب کے کچھ نہ کچھ خدوخال دکھائی دے رہے ہیں حالانکہ طاغوتی افواج کے علمبرداروں اور سورماؤں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ قدیم مذاہب کی حقیقی تجلیات تو یقیناً کم ہو گئیں لیکن ان کی بجھی ہوئی خاکستر میں رسم و رواج کی گرمیاں موجود ہیں۔ شاید ہر مذہب اپنی کامل تابانیوں کے ساتھ دنیا میں ہمیشہ جلوہ گر رہتا۔ اگر مخالفت کی کوششیں صرف غیروں تک محدود رہتیں مگر اپنوں نے جو سلوک کیا وہ دشمن پہلو سے زیادہ مہلک ثابت ہوا۔ حاملین دین و پیشوایان مذہب نے اپنے مقام و منصب کا ناجائز استعمال کیا۔ دین کو دنیا کے بدلے بیچنے لگے۔ ان کے تصورات کی دکانوں میں آخرت کی متاع گراں کی جگہ دنیا کی متاع قلیل نے لے لی۔ اور کسی حکومت کے دارالضرب کی طرح بدلتے ہوئے حالات میں دینی سکوں کی قیمتیں اور شکلیں بدلنے اور مقرر ہونے لگیں۔ بنی اسرائیل راہ حق پر چل رہے تھے کہ ان میں لونڈیوں کی تعداد بڑھی۔ جنہوں نے صریح دینی احکام میں قیاس کرنا شروع کر دیا لوگوں کو قیاس و تخمین کی رغبت دلائی' خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی اس صریح ہدایت سے روگرداں ہوئے۔ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔ یعنی دنیا اور اس کی تمام نعمتیں آنی جانی اور فانی ہیں۔ مال دولت لٹ جاتے ہیں اور جاہ و منزلت برباد ہو جاتی ہیں۔ وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی۔ آخروی زندگی بہتر و پائیدار ہے جہاں زوال ڈر اور فساد کا خطرہ نہیں۔ لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ۔

مگر بنی اسرائیل یہود ہوں یا نصاریٰ راہ نبوت سے ہٹے۔ آخرت کو بھلایا۔ دنیا اور صرف دنیا کے ہو گئے۔ تعلیمات الٰہی اور ہدایات نبوی کی تاویلیں کرنے لگے۔ دین میں طرح طرح کی تحریفیں ہوئیں۔ مفہوم بدلا' الفاظ بدلے۔ یہاں تک کہ ساری کتابیں بدل گئیں اور آج تک اسی تبدیل و تغیر کے قدیم رواج کے پابند ہیں۔ اب نہ یہودیت ہے نہ نصرانیت' نہ توریت باقی ہے نہ انجیل۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جگہ احبار و ربی نے لے لی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا منصب پادریوں اور پوپ کو حاصل ہو گیا جو چاہیں دین میں داخل کر دیں اور جس مسئلہ کو چاہیں نکال دیں۔ 1950ء کی بات ہے کہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے ٹھیک ساڑھے انیس سو برس بعد پاپائے روم نے ایک نیا رکن مسیحی عقائد میں داخل کر دیا جو اب پانچ سال سے مسیحی عقیدے کی بنیاد ہے یعنی حضرت مریم علیہا السلام اپنے بیٹے کی طرح جسم کے ساتھ آسمان پر اٹھالی گئی ہیں۔ کس کی مجال ہے کہ پوپ کے اس فرمان کو چیلنج کرے ثبوت مانگے یا انکاری ہو۔ اب مسیحیت تو یہی ہے اور آئندہ اسی عقیدے کے ساتھ قائم رہے گی۔

ویدوں کو لے لیجیے۔ ان کا حال یہود و نصاریٰ کی کتابوں سے کچھ الگ نہیں' نہ ان کی تاریخ معلوم نہ مصنف کا نام اور نہ مقام تصنیف' زبان کا حال تو اور بھی قومی المیہ ہے۔ بقول علمائے وید اس مزعومہ الہامی کتاب کی زبان اس حد تک مردہ ہو چکی ہے کہ آج بڑے سے بڑا پنڈت بھی وید فہمی کا صحیح دعویدار نہیں ہو سکتا۔ اس کی تمام تشریحیں قیاسی و تخمینی ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ وید کی شرح و تفسیر کے لیے خود پنڈت اور ہندو مذہب کے ماہرین یورپ کو سند مانتے ہیں۔ گویا ان کے اپنے خزانے میں مستشرقین یورپ کے سرمائے جمع ہو رہے ہیں۔ احیاء سنسکرت کی کوششیں ہندو تہذیب و تمدن پر پراگندگی رنگ تو چڑھا دیں گی لیکن گمشدہ ویدوں کی تجدید نہیں کر سکتیں۔

مجوسیوں کا دینی تصور بھی دوسرے قدیم الایام مذاہب کی طرح صرف رسم و رواج' ژند واوستا کے نام اور زرتشت کی یادگار تک محدود ہے۔

آخر ایسا کیوں ہوا ہے' کبھی آپ نے غور فرمایا؟ بات یہ ہے کہ یہ تمام مذاہب اپنے اصلی مقام و مرکز سے محروم ہو گئے۔ غیروں نے سازش کی اور اپنوں نے آمیزش۔ دشمن کے حملوں میں جہاں ان کی دوسری تمام میراثیں لٹیں وہاں ان کا دین' دینی کتابیں' تمدن' تہذیب' ثقافت' روایات سب لٹ گئے۔ عبادت گاہیں منہدم ہو گئیں۔ عبادت کے طریقے برباد ہو گئے۔ یہود بار بار تباہ ہوئے۔ بیت المقدس تاراج ہوا' ہیکل لوٹا گیا' توریت جلائے گئے۔ یہود غلام ہوئے۔ مذہبی تعلیم رک گئی اور جان بچانے کے لیے دینی روایات سے انکار کرنا پڑا۔

(رب الافواج یوں فرماتا ہے) میں تلوار اور کال اور وبا سے ان (بنی اسرائیل) کا پیچھا کروں گا۔ میں ان کو زمین کی سب سلطنتوں کے حوالہ کر دوں گا کہ دھکے کھاتے پھریں اور ستائے جائیں اور سب قوموں کے درمیان جن میں' میں نے ان کو ہانک دیا ہے۔ لعنت اور حیرت اور ملامت کا باعث ہوں' پس تم اے اسیری کے سب لوگو جن کو میں نے یروشلم سے بابل کو بھیجا ہے' خداوند کا کلام سنو!

مسیحیت تو ابتدا ہی میں ضعف و بے چارگی کی حالت میں رہی۔ اس کا نہ کوئی مرکز تھا' نہ کوئی مقام' حواری مسیح ادھر ادھر منتشر ہو کر چوری چھپے جو تبلیغ کر سکتے تھے وہ انہوں نے کی' ورنہ بقول اناجیل موجودہ انہوں نے تو گرفتاری مسیح ہی کے وقت رفاقت مسیحی اور دین عیسوی سے انکار کر دیا تھا۔

"سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے مگر ایک جوان اپنے ننگے بدن پر مہین چادر اوڑھے ہوئے اس کے پیچھے ہو لیا۔ اسے لوگوں نے پکڑا مگر وہ چادر چھوڑ کر ننگا بھاگ گیا"۔

جب پطرس نیچے صحن میں تھا تو سردار کاہن کی لونڈیوں میں سے ایک وہاں آئی اور پطرس کو آگ تاپتے دیکھ کر کہنے لگی تو بھی اس ناصری یسوع کے ساتھ...... مگر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا کہ میں اس آدمی کو جس کا تم ذکر کرتی ہو نہیں جانتا۔

آج توریت و انجیل کے نام سے جو مجموعے تم دیکھتے ہو وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے کئی سو برس بعد کی تصنیف ہیں اور اسی طرح اناجیل موجودہ سیدنا مسیح علیہ السلام کے صدیوں بعد مرتب ہوئے۔ طرفہ یہ ہے کہ ان کی ترتیب و تالیف میں بعض ایسے گندم

نما جو شروش افراد کی شرکت ہے۔ جو مسیحیت کے کٹر دشمن تھے چنانچہ کتاب مقدس عہد نامہ قدیم وجدید یعنی توریت وانجیل کے ردو قبول میں یہود ونصاریٰ کے تمام فرقے باہم مخالف ہیں۔ بعض ابواب اور کتابیں ایک فرقے کے نزدیک صحیح اور دوسروں کی نگاہ میں غلط وناقابل قبول ہیں۔ جعلی والحاق ہیں۔ بہ لحاظ مجموعی پوری کتاب مقدس شک وریب سے خالی نہیں۔ علاوہ ازیں اس کتاب کے بہت سے حصے دنیا سے معدوم ہو چکے ہیں جس کا تمام یہود ونصاریٰ کو آج تک اعتراف ہے۔

اقوام عالم کی مذہبی کتابیں ضائع نہیں ہوتیں۔ اگر قرآن مجید کی طرح ان مذاہب کو یہ چار خصوصیتیں اور امتیازات حاصل ہوتے' ان کتابوں کی زبان دنیا والوں کی زبان سے فصاحت و بلاغت میں اتنی بلند ہوتی کہ ہر تحریف وآمیزش ریشم میں ٹاٹ کے پیوند کی طرح نظر آ جائے۔ عہد ظہور میں اس مذہب کی اتنی اشاعت ہو جاتی کہ آئندہ مرکز کے تغیر وتبدل کا اصل دین پر کوئی اثر نہ پڑ سکے بلکہ مراکز غیروں کے استیلا وتسلط سے محفوظ رہتے۔ سوم قرآ [illegible] یدں طرح پوری کتاب نشان ونقط کے ساتھ زبان پر جا [illegible] ور دلوں میں یاد رہتی۔ چہارم رومی پوپ اور برہمن کو دین وعلوم دین میں وہ ناجائز اختیارات نہ ہوتے جو انہیں حاصل ہیں بلکہ ہر تبع ملت تعلیم وتعلم میں مساوی حقوق رکھتا اور اس کی عام اجازت ہوتی کہ ہر شخص دینی علوم حاصل کرے اور عقل وفہم کی مدد سے دوسروں کو سکھائے لیکن اس کے برعکس ایک خاص طبقہ ونسل کی قید نے ایک طرف اشاعت کی راہ بند کر دی' دوسری طرف مذہبی گروہ کو من مانی کرنے کی کھلی دستاویز مل گئی۔ دین خاطر خواہ پھیلا نہیں' اور اپنوں کی نااہلی اور خود غرضیوں کا آلہ کار بن گیا۔ اس خاص گروہ کے زوال وتباہی نے دین کو تباہ وبرباد کیا۔ ان کی موت کے ساتھ دین کو موت آ گئی۔ اگر عام لوگوں کو مذہبی تعلیم کی اجازت ہوتی تو اس کا پھیلاؤ بھی زیادہ ہوتا۔ اشاعت بڑھتی اور نئے نئے علوم کی بنیادیں پڑتیں' گمشدگی کا خطرہ دور ہوتا اور زبان بھی زندہ رہتی۔ تحقیق وتلاش کا دروازہ بھی بند نہ ہوتا۔

قرآن مجید عہد رسالت ہی میں اتنا زیادہ شائع ہو چکا تھا کہ اس میں تغیر وتبدل کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔ مرکز یعنی زمین آج تک الحمد اللہ محفوظ ہے۔ دنیا کے تمام دماغوں کو عام اجازت ہے کہ قرآن سیکھیں اور غور کریں۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰن۔ (لوگ قرآن میں کیا غور نہیں کرتے)۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ مقدس کلام فصاحت وبلاغت کے نہایت اونچے معیار پر ہے۔ کہ دعوت مقابلہ تاحال قائم ہے۔ اس چیلنج کا جواب دوست اور دشمن سبھوں نے اظہار عجز ونارسائی کے سوا کچھ نہ دیا۔ عہد نبوی سے آج تک روزانہ نمازوں میں اسی کی تلاوت جاری ہے اور مشرق ومغرب کے تمام اعلیٰ مفکرین اس کے مطالعہ میں مشغول ہیں۔

اسلام آخری دین ہے

سطور بالا میں مذکور ہو چکا ہے کہ قدیم مذاہب کی دینی کتابیں اور الہامی صحائف کس طرح اور کن حالات میں کن اسباب وعوامل سے تباہ وبرباد ہوئے۔ ان کے علاوہ ایک خاص بات قابل غور اور بھی ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے انسانی تمدن اپنے بلوغ کو نہیں پہنچا تھا۔ لوگ ان ذرائع حمل ونقل سے بھی محروم تھے جنہوں نے آج دنیا کے دور دراز ملکوں کو سمیٹ کر ایک آبادی کی شکل دے دی ہے۔ سمندر اس طرح کوزے میں بند ہو گیا کہ اس کی ہر لہر فوراً ربع مسکوں کا احاطہ کر لیتی ہے۔ زمان و مکان کی مسافتیں ایام گذشتہ کے افسانوں کی طرح محض خیالی' ہر آواز پہنائے عالم میں گم ہونے سے پہلے ہر انسان کے سامعہ سے ٹکرا چکی ہے اس لیے قدیم علم وتمدن کے قدیم وجدید سرمائے جو آج تک محفوظ رہیں گے لیکن جو پیشتر ہی گم ہو چکے ان کے تحفظ وبقا کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ زمانہ ظہور میں تمدن کی ناپختگی' معاشرت کا نقص اور حمل ونقل کی کمی نے ان مذاہب کی تعلیمات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بحفاظت منتقل نہیں ہونے دیا۔ ہر انسانی آبادی گویا ایک بری جزیرہ (OASIS) تھا جہاں ہر علمی نظریہ اور نیا فکر محدود رہ کر ناپید ہو جاتا تھا۔

مگر اسلامی تعلیمات۔ کلام الٰہی وسنت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام خارجی مہلکات سے محفوظ ہیں جن کی تاب نہ لا کر اگلے تمام ادیان وصحائف برباد ہو گئے اور تغیر وتحریف نے انہیں بدل ڈالا۔ قرآن مجید جس طرح پونے چودہ سو سال پہلے تھا اسی طرح آج بھی موجود ہے۔ طول عہد کی خاک افشانیوں اور امتداد زمانہ کی کارستانیوں سے اس کے نقوش زیادہ ابھرتے اور روشن ہوتے چلے گئے اور آج تک نئے نئے فنون پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ بلکہ نئے انکشافات وایجادات نے قرآن و سنت اور تمام علوم اسلام کی اشاعت وتبلیغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسلمان جو اپنی کم ہمتی اور بے مائیگی سے فریضہ تبلیغ کی ادا سے قاصر رہا ہے زمانہ نے آگے بڑھ کر یہ ذمہ داریاں خود قبول کر لیں اور وسائل فطرت کے نئے مبلغوں کے سپرد کر دیا۔ صرف یہی نہیں کہ اب قرآن وسنت کی کتابی اشاعت دنیا کے دور و نزدیک گوشوں میں عام ہو رہی ہے بلکہ معانی کے چہروں سے اکثر وہ نقاب بھی اٹھتے جا رہے ہیں جو کچھ دنوں پہلے لوگوں کے ادراک سے باہر تھے۔ ایمان بالغیب بتدریج شہادت کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ موجودہ طغیانی ترقی کی رفتار سے کچھ بعید نہیں کہ قیامت کا راز بھی جلد فاش ہو جائے۔ سورج سرد پڑتا جا رہا ہے۔ اذا الشَّمْسُ موّدَث۔ جب کہ سورج بے نور ہو جائے گا۔ زمین کی صلاحتیں گھٹتی جا رہی ہیں لنقصھامن ینکلر الھا۔ زمین کو ہم گھٹا رہے ہیں کناروں سے' ایٹم کی شعاعیں نامحسوس کو محسوس بنا رہی ہیں۔ ٹھوس مادی اجسام کے عکس اور ان کی حرکات کی تصویریں فضا میں قائم نظر آنے لگیں۔ اور ہر آواز کی گونج سنائی دینے لگی تو اب فنائے عالم اور وزن اعمال کا سمجھنا کیا دشوار ہے۔

لیکن قرآن کو ایک اصول حیات اور لائحہ عمل' ضابطہ تمدن' رہنمائے معیشت' خضر معاشرت' معلم سیاست' آئین معاملت' دستور اخلاق قانون وفاق' رہبر انسانیت' سروش رحمت کی حیثیت سے یا تو علمائے اسلام وعامۃ المسلمین تسلیم کرتے ہیں یا پھر مستشرقین یورپ کی سمجھ میں آتا ہے۔ چنانچہ برنارڈ شاہ مشہور انگریز ادیب ومفکر نے اپنا یقین ظاہر کیا ہے کہ سو سال کے اندر ساری دنیا اسلامی نظریہ کو قبول کرنے پر مجبور ہوگی کیونکہ وہ تمام آئین جو آج تک انسانوں نے بنائے' سکون بخش وامن خیز ثابت نہیں ہوئے۔ اصلاح عالم کی آرزو میں ہر قدم تخریب و فساد ہی کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ روس کے بالشویک ہوں یا مغرب کے جمہوری اپنے دماغوں کے مآل کار سے مطمئن نہیں کہ پیہم مساعی تمام مفکرین عالم کو نادانستہ اسلامی اصولوں کی طرف لا رہی ہے۔

کاش برنارڈ شاہ کے فکر وادب' زبان' لٹریچر پر سر دھنے والے مغرب پسند مسلمان غور کریں اور اپنے سرمایہ دین قرآن و سنت کی طرف متوجہ ہوں۔ مشرق ومغرب کے سنگم بن کر دنیا کی صحیح رہنمائی کریں۔ زخم خوردہ دنیا جس مرہم کی تلاش میں ہے اور بقول برنارڈ شاہ سو سال کی طویل مسافت طے کر کے وہاں پہنچے گی انگریزی دان وہاں آگے بڑھیں اور آج ہی چشمہ حیوان تک انہیں پہنچا دیں۔

قرآن وسنت سے عملی بیزاری ترک کریں۔ بنی نوع انسان کے سامنے صحیح دین پیش کر کے کمال انسانیت کا نمونہ دکھائیں۔ قرآن کی روشنی میں کیوزم کی خرابیوں اور جمہوریت

کے نقائص کی اصلاح ہو۔ یہی بہتر سیاست، اعلیٰ تدبر اور بلند اخلاق ہے۔

انسانیت کی بدقسمتی ہے کہ مسلمانوں میں ایک طبقہ جس کے ہاتھوں میں عنان اقتدار ہے کتاب وسنت سے ناواقف اور علوم کو بطور خود سمجھنے سے اب تک گریز کرتا رہا ہے۔ قرآنی تعلیمات میں اسے وحشت و بربریت نظر آتی ہے۔ اسلامی تعزیرات اس کے نزدیک عہد تاریک کی یادگار ہیں۔ حیرت ہے بڑے بڑے جیل خانے قیدیوں سے آباد ہیں، چوری، لوٹ مار، عصمت دری و آبرو ریزی، قتل و رشوت و جنبہ داری، غبن و خیانت کی ترقی سے اس دور کے نام نہاد تمدن کی پیشانی پر بل نہیں آتے لیکن اگر ان کے انسداد کے لیے اسلامی سزائیں تجویز کی جائیں تو پھر ہر طرف پکار مچنے لگتی ہے اور تہذیب نو اور تمدن جدید کی دہائیاں دینے لگتے ہیں۔ خدا معلوم تہذیب وتمدن سے ان کی کیا مراد ہے؟۔ اگر جرائم وجنایات کی روک تھام کا نام تمدن ہوتا تو پھر یہ خداوندان اقتدار وہ راہ عمل سوچتے جس کا انجام جرائم کی ترقی اور جیل خانوں کی آبادیاں نہیں بلکہ جرائم کا فقدان اور جیلوں کی ویرانیاں ہیں۔ یہ مقصد اخلاق کی بلندی سے حاصل ہوتا ہے لیکن پاکیزہ اخلاق کی توقع ہر انسان سے یکساں نہیں کی جاسکتی بلکہ بعض حالات میں خصوصاً اور اصلاح کے ابتدائی ایام میں عموماً یہ مدعا اسلامی یا اسی معیار کی سزاؤں سے ہوگا۔ روس و فرانس کھانے پینے کی چیزوں میں ملاوٹ کی سزا موت تجویز کرتے ہیں۔ جولیس واحتھل روزبرگ کو ننھے ننھے معصوم بچوں سے چھڑا کر کل ہی موت کے حوالے کر دیا گیا۔ مارشل لاء کے زمانے میں معمولی تقصیرات کی کڑی سزائیں جن میں اکثر بے گناہ بھی پس جاتے ہیں، تہذیب حاضر میں جائز و ناقابل شکایت ہیں لیکن تزئین اخلاق و اصلاح معاشرت کے لیے قرآنی تعزیرات خلاف تہذیب وخلاف عقل ہیں۔ اس دورنگی تہذیب اور اندھے تمدن پر ہزار بار لعنت۔

دنیا کے تمام مذاہب اپنے خاص زمانہ میں جیسے بھی رہے ہوں، آج ان کے نام سے جو کچھ تعلیمات کتاب کی صورت میں یا رسم ورواج کی شکل میں پائی جاتی ہیں بے شبہ مقتضیات عصری کو پوری نہیں کرتیں شاید ماضی بعید میں حالات موافق ہوں جب ایک انسانی آبادی دوسرے معمورات سے بے تعلق تھی اور اپنے محدود حلقہ میں ان اصول وضوابط پر مطمئن وقانع لیکن جب دریائے فطرت کا بند ٹوٹ گیا اور سیلاب نے تمام حد بندیاں توڑ دیں۔ ایک کنوئیں کا پانی دوسرے کنوئیں سے باہم آمیز ہو گیا تو پرانے عمرانی قوانین کارآمد نہیں رہ سکتے۔ اب تو طوفان کا اندازہ کرکے نئے خطوط پر آبادیاں بسانی چاہئیں اور نئے پرانے قوانین کو ملا کر ایک ایسا اساسی دستور مرتب ہونا تھا جو منتشر آبادیوں کو معمورہ واحد میں جمع کر سکے تاکہ رنگ ونسل زبان و وطن معاشرت اور ثقافت کی دورنگیاں یک رنگ ہو کر تمام انسانوں کو اپنے حلقہ میں سمیٹ لیں۔ مُصَدِّقٌ لِمَا بَیْنَ یَدَیْکُمْ اسلام اسی لیے مذاہب حقہ کی تصدیق کرتا ہے۔ ایشیا یورپ سے دور نہیں رہا اور نئی دنیا پرانی دنیا کے فکر وعمل میں برابر کی شریک ہے۔ مجلس اقوام (League of nations) اقوام متحدہ (United Nations) کو کسی ایسی بنیاد پر قائم ہونا چاہیے جہاں قومیت و وطنیت کی تفریق مٹ کر انسانی وحدت کی تصویر پیش کر سکے اور یہ مقصد صرف اسلامی افکار اور تعلیمات ہی سے حاصل ہوگا۔ ایسی اساس صرف قرآن وسنت ہی پیش کرتے ہیں جن کا اعلان ہے قرشی کو غیر قرشی پر، عربی کو عجمی پر کوئی برتری نہیں۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں۔ معیار بزرگی صرف اخلاق وخدا ترسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو عظمت عطا کی ہے اور سب اولاد آدم زمین کی یکساں وارث ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم وقبیلہ کی طرف نہیں بلکہ پوری نوع انسان ان کی پاکیزہ تعلیم کی مخاطب ہے جب کہ دوسرے تمام قدیم الایام مذاہب نے اپنے گرد قوم ووطن کی حدود لگائی تھیں۔ رہا یہ شبہ کہ جس طرح اگلے ادیان انقلابات زمانہ کا ساتھ دے سکے اور ان کی تعلیمات ارتقائی دوڑ میں بہت پیچھے رہ گئیں۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ اسلامی تعلیمات بھی کسی منزل میں تھک کر رہ گئیں اور زمانہ جس طرح آگے بڑھتا چلا جا رہا ہے بڑھتا ہی چلا جائے گا یا بعض نادانوں کا یہ خیال کہ اسلامی عقیدہ کے مطابق عصور گذشتہ میں نبیوں کی آمد جاری تھی اور خود حضرت مسیح علیہ السلام کے 610 برس بعد جس طرح سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی کیونکہ پچھلے تمام ہدایت نامے یا تو مندرس ہو چکے تھے یا زمانہ کا ساتھ دینے میں قاصر وکوتاہ قدم تھے تو چودہ سو برس بعد جب کہ حالات میں آسمان وزمین کا فرق ہو چکا ہے اور آئندہ نہیں معلوم کیا کیا تغیرات ہوں گے۔ قرآن قدیم پر جمے رہنا اور ظہور نبی کا انکار کرنا نہ عقلمندی ہے اور نہ دستور الٰہی ماحول جوں جوں بدلے گا نئی ہدایات اللہ کی طرف سے آئیں گی۔ یہ شبہات بظاہر سیدھے سادے انسانوں کو مغالطے میں ڈال سکتے ہیں لیکن جن کی نگاہیں اسلامی اصول پر ہیں وہ جانتے ہیں کہ آفتاب کا ناکارہ ہونا نظام شمسی کی بربادی ہے۔ جب تک کوئی انسان زندہ ہے قرآن کے کمال افادیت میں فرق نہیں آ سکتا۔ ظاہری تحفظات کے علاوہ جن کا ذکر پہلے آ چکا ہے قرآن وسنت کی تعلیمات خالص نظری وعمل اعتبار سے بھی تمام الہامی صحائف سے ممتاز ہیں۔ اس کی وسعت وہمہ گیری انسانی فطرت کو محیط ہے۔ حالات ماحول کے ردعمل اور فطرت کے تقاضوں سے بدلتے ہیں لیکن فطرت انسانی ہمیشہ اور ہر دور میں یکساں رہتی ہے اور رہے گی۔ فطرت نام ہے ان اساسی تعینات کا جو نوع انسانی کے اندر ودیعت کی گئی ہیں اور حیات ارضی کے لیے ضروری ہیں۔ اسی لیے ہماری وہ تمام احتیاجات جو بقائے زیست کے لیے اہم ولابدی ہیں اور جن کی محرک حقیقی ہماری فطرت ہے از آدم تا ایں دم بے کم وکاست یکساں رہیں۔

اسباب وسامان ہزار بدلا کیے مگر فطری تعینات ونوعی احتیاجات میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوا۔ دنیا کے تمام مذاہب نے جو کچھ احکام وہدایات انسانوں کو دیے جن کا آج ہمیں علم ہے وہ سب کے سب اسباب حاضرہ وسامان موجودہ کے لحاظ سے تھے۔ گائے کی پوجا، آفتاب پرستی، دریاؤں کا احترام یوم السبت کی تعظیم، وطن کی تقدیس، قبائلی عصبیت، غرض یہ اور اس جیسے دوسرے معاشی اور معاشرتی احکام، تمام آئین عبادت اور ضابطہ زندگی جو قدیم مذاہب میں پائے جاتے ہیں۔ اگر واقعی ان کی کوئی مذہبی حیثیت تھی تو وہ ایک خاص دور میں اسباب وسامان کی کمی بیشی یافت و نایابی کی وجہ سے تھی جن کی افادیت زمان وماحول کی قید وبند میں محدود تھی لیکن حالات کے پیش نظر کے ساتھ اگر وہ تمام فوائد جو ایک خاص علاقہ میں گایوں سے حاصل تھے دوسری جگہ متصور نہیں ہوں گے تو وہاں کے باشندے بے فائدہ احترام پر کیوں مجبور کیے جائیں گے۔ دنیا کے جن ملکوں میں آفتاب نظر نہیں آتا اور اس کی شعاعوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔ آخر اس کی تعظیم میں سر کیوں جھکنے لگے۔ گنگ وجمن کا کام براست خزانہ ابر سے لیا جانے لگے تو لامحالہ ان دریاؤں کی اہمیت گھٹ جائے گی جن کی افادیت سے بڑے بڑے صحرا اور ریگستان اور دوسرے اور دوسرے ممالک آج بھی محروم ہیں۔ یوم السبت چھ دن مسلسل محنت تختی کے بعد آرام وسکون کا دن تھا مگر اس مشینی دور میں سارا دن بیکار رہنا قرین مصلحت نہیں۔ وطن کے حدود مٹ کر وسیع دنیا میں مل گئے۔ تو اب تقدیس کا خیال بھی ایک تمدنی گناہ ہے۔

قبائلی عصبیت کبھی معاشی ضروریات، سیاسی برتری، دفاعی مصالح کے لیے ضروری تھی مگر اب اس کا اثر خود بخود زائل ہو رہا ہے لیکن

قرآن وسنت کی ہدایتیں فطرت انسانی پر قائم ہیں اس لیے فطرت کے ساتھ ساتھ انہیں بھی قیام وثبات رہے گا۔ قرآن حکیم کوئی حکم دینے سے پہلے لوح فطرت کی تحریریں پڑھ کر سنا دیتا ہے۔ ارشاد ہے۔

ذین للناس حب الشہوت من النساء والنبین والقناطیرا لمقنطرة من اللهب و الفضة والخیل المسومة والانعام والعی شامل ذلک متاع الحیوٰة الدنیا ج۔

(مطلب) انسانی فطرت ان خواہشات سے آراستہ کی گئی ہے۔ عورتوں کی طرف میلان' بقائے نوع کے لیے اولاد کی تمنا کرنا' سونے چاندی کے ڈھیر یعنی مال وسرمایہ' اچھے اچھے گھوڑے اور سواریاں' طرح طرح کے جانور اور باغ اور کھیتیاں' اور یہی سب چیزیں دنیاوی سرمایہ ہیں۔

فطرت انسانی کی صاف صاف نشان دہی کے بعد جو حکم بھی اصلاح معاشرت اور معاش کے لیے دیا جائے گا فطرت کی طرح ناقابل تغیر ہوگا۔ ہاں اگر فطرت بذات خود بدل جائے جس کا کوئی امکان نہیں تو پھر قرآنی احکام میں تغیر وتبدل کی آرزو حق بجانب ہوگی۔ تمدنی امراض کا علاج اور عصری مشکلات کا حل تلاش کرنے والوں کو چاہیے کہ اسلام کا بے لاگ مطالعہ کریں۔ یہ اصول اگر قابل قبول ہو تو ماحول سے شرمائے بغیر قبول کر لینا چاہیے اور اگر قرآن کے دعویٰ کمال میں کوئی شبہ نظر آئے تو بے جھجک دنیا کے سامنے پیش کر دیں کیوں کہ قرآن ہی ایک ایسی مذہبی کتاب ہے جس نے نوع انسان کو عقل سے کام لینا سکھایا اور اس کی اہمیت سے دنیا کو آگاہ کیا ورنہ دوسرے تمام مذاہب دینی تعلیمات ومسلمات میں عقل کو دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتے اور اپنے تمام احکام بطور اصول مفروضہ منواتے ہیں۔

اناانزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون۔ ہم نے قرآن کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم عقل وفکر سے کام لو اور سمجھو۔

……

قائداعظم نے اسلامی سوشلزم کی اصلاح ایک مرتبہ استعمال کی تھی۔ اس پر میں نے اسمبلی میں احتجاج کیا۔ اس کے بعد انہوں نے کبھی کسی تقریر یا تحریر میں اسلامی سوشلزم کی ترکیب استعمال نہیں کی۔ بلکہ اسلامی نظام اقتصادیات' اسلامی اخوت اور اسلامی عدل عمرانی کے الفاظ استعمال کیے۔

واقعہ معراج کے چند گوشے

قاضی عبدالنبی کوکب

جب کوئی شخص ''واقعہ معراج'' پر غور کرنے اور اس کو سمجھنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس کے ذہن میں اس قسم کے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

اسلام میں واقعہ معراج کی کیا اہمیت ہے؟

اس کی پوری تفصیل اور ترتیب کس طرح ہے؟

اس کی کیفیت کیا تھی؟ بیداری کا ماجرا تھا یا خواب کا؟

ان سوالات کے پیش نظر اس مضمون کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔

(1) معراج کی اہمیت (2) معراج کا واقعہ (3) معراج کی کیفیت (4) معراج کا مقصد۔

اہمیت

معراج کا واقعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا سب سے مشہور واقعہ ہے۔ اس کا ذکر قرآن پاک اور حدیث شریف دونوں میں موجود ہے۔ قرآن پاک کی سورۃ بنی اسرائیل اسی واقعہ کے بیان سے شروع ہوتی ہے چنانچہ اس کا دوسرا نام ہی ''سورۃ الاسراء'' یعنی ''معراج والی سورۃ'' رکھا گیا ہے تفاسیر کے مطابق ''سورۃ نجم'' میں بھی معراج کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد حدیث کو لیجئے تو حدیث کی تمام مستند کتابوں میں اس واقعہ کے لیے مستقل باب باندھے گئے ہیں۔ جن میں معراج کے متعلق احادیث تفصیل سے درج کی گئی ہیں۔

کتب حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بیس سے زیادہ صحابہ نے اس واقعہ کی تفصیلات نقل کی ہیں۔ ان میں حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسے صاحب بصیرت اور فقیہ صحابی بھی شامل ہیں۔ پھر چونکہ اس واقعہ کے ظہور اور اس کی اطلاع پر اس وقت کے ماحول میں ایک شدید ہل چل مچ گئی تھی اس لیے یہ واقعہ اسلامی تاریخ کا بھی ایک اہم جزو بن گیا اور بذات خود واقعہ بھی عظیم اہمیت کا حامل تھا کیونکہ اس کو ہجرت نبویؐ سے ایک گہرا تعلق حاصل تھا۔ (تشریح آگے آئے گی) اور جب ہم اسے مکی زندگی اور ہجرت کے درمیان رکھ کر دیکھتے ہیں تو یہ اس عظیم انقلاب کا پیش خیمہ نظر آتا ہے جو مدینہ اور اس کے بعد عرب وبیرون عرب میں رونما ہونے کو تھا۔

معراج کی انہی اہمیتوں کے پیش نظر ہر دور کے علمائے اسلام نے اس کی افہام وتفہیم کے لیے معرکہ آرا گفتگوئیں کی ہیں حتے کہ مسلمان فلاسفروں نے یونانیوں کے اس علم الافلاک کی دھجیاں بکھیر ڈالیں جس کے مفروضہ اصول نظریہ معراج سے ٹکراتے تھے۔ گو آج کے جدید علم نے اس علم الافلاک (ASTRONOMY) کے بطلان کی تصدیق کر دی ہے مگر پانچویں صدی ہجری کا غزالی یونانی فلکیات کے بعض اصول اس لیے نہیں مانتا تھا کہ اسے ان کی نسبت معراج کے نظریے پر کہیں زیادہ پختہ یقین حاصل تھا۔

واقعہ

کشف اور رویا کی دنیا میں یہ منظر آپ کئی دفعہ دیکھ چکے تھے۔ لیکن وہ تکمیل مشاہدہ جس کی گفتگو یہاں جاری ہے' نبوت کے بارھویں سال پیش آیا ۱ ھ قبل ہجری کے رجب کی ستائیس تاریخ تھی جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو ''شعب ابی طالب'' (مکہ کا ایک محلہ) میں اپنی پھوپھی زاد ہمشیرہ ام ہانی کے گھر محو آرام تھے تو اس واقعہ کی ابتدائی کیفیات آپ کے سامنے آئیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ مسجد حرم میں تشریف لائے اور یہاں بھی ذرا لیٹ گئے۔ قدرے توقف ہوا ہوگا کہ جبریلؑ آپؐ کی خدمت میں کھڑے دکھائی دیئے۔ ان کے ساتھ ایک چمکدار سواری بھی تھی جس پر حضورؐ کو سوار کرا دیا گیا اور مسافر شب اسریٰ کا سفر شروع ہوا۔

جبریلؑ ایسی راہوں پر چل رہے تھے کہ دوران راہ مولد عیسیٰ مدینہ اور قبائل ماضیہ کے مقامات وآثار کا مشاہدہ بھی کرایا گیا۔ بالآخر نبوتؐ کی سواری بیت المقدس کی منزل پر پہنچی۔ جہاں اقوام عالم کے انبیاء جمع تھے۔ حضور علیہ السلام کی سب سے ملاقات ہوئی اور آپؐ نے انبیاء کے ساتھ اس عظیم مسجد میں نماز ادا کی۔ اس نماز میں آپ ہی کو امام بنایا گیا۔ اس کے بعد اس سفر کا رخ گنبد گردوں کی پراسرار بلندیوں کی طرف پھیر دیا گیا۔ عالم بالا کے اہم مقامات سے گزرتے ہوئے جزا وسزا کی

Mutalia-e Islam Research Center Islamabad

یکراں دیکھتے ہوئے اور حدود جہات کی تنگنائے کو عبور کرکے ان حدوں تقریب باری کی آخری منزل پر جا پہنچی جہاں خالق ذوالجلال نے اپنے پیارے بندے کو اپنی وحی سے مشرف نوازا۔

اس رات کی خاص ہدایات واحکام لے کر مسافر افلاک، کرۂ ارضی کی طرف واپس لوٹا۔ رات گزری، صبح طلوع ہوئی ام ہانی نے روکا۔ خدا کے لیے یہ خبر لوگوں کو نہ بتایئے مگر آپ کا دل ایمان یقین سے پر تھا اور پھر یہ خبر پیغام ربانی ہی کے سلسلہ میں ایک اہم کڑی تھی۔ چنانچہ آپ نے مکہ والوں کے سامنے اس واقعہ کا اعلان فرمایا۔ بس پھر کیا تھا غیر متناہی چہ میگوئیاں چھڑ گئیں۔ اعتراضات کی بارشیں اور سوالات کے طوفان اٹھ کھڑے ہوئے۔ ٹھیک اس ماحول کے پیش نظر قرآن کی یہ آیت اتری۔

سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حوله لنریه من آیاتنا انه هو السمیع البصیرہ

ہر نقص سے بالا ہے وہ ذات جس نے رات کے وقت اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف سفر کرایا۔ جس کے آس پاس ہم نے برکتیں رکھیں تاکہ اس بندے کو اپنی نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہ سننے اور دیکھنے والا ہے۔

کیفیت

واقعہ معراج کی کیفیت کے بارے میں اختلاف ہو جانا، انسانی ذہن کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ یہ طویل بحثیں معرض وجود میں آئیں کہ آیا معراج کا واقعہ بیداری میں پیش آیا تھا یا خواب میں؟ اور آیا اس کا تعلق صرف روح سے تھا یا روح اور جسم، دونوں سے؟۔ میں قارئین کو الجھنوں سے بچانے کے لیے دو مکتب خیال کی آراء اور دلائل اختصار کے ساتھ درج کرتا ہوں۔ پہلے وہ دلائل آتے ہیں جن کا تعلق آیات واحادیث سے ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ معراج کا واقعہ عالم خواب کی ایک [illegible] کی پہلی دلیل یہ آیت ہے۔

(1) وما جعلنا الرویا التی اریناک الا فتنة للناس۔ (بنی اسرائیل 60)

اور اس خواب کو جو ہم نے آپ کو دکھایا لوگوں کے لیے آزمائش قرار دیا۔

ان کا خیال ہے کہ یہاں "رویا" سے مراد واقعہ معراج ہی ہے۔

(2) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: مافقد جسد رسول اللہ۔ حضورؐ کا جسم نہ غائب ہوا۔ (سیرۃ ابن ہشام ج ا)

(3) حضرت معاویہؓ بھی اسے "رویائے صادقہ" قرار دیتے تھے۔

(4) معراج کی ایک حدیث میں، واقعہ کی تفصیل بیان کرنے کے بعد حضورؐ فرماتے ہیں۔ ثم استیقظت۔ "پھر میں بیدار ہو گیا"۔

اور جن کے نزدیک یہ واقعہ محض خواب یا کشف کی حیثیت نہیں رکھتا وہ مذکورہ دلائل کے متعلق یہ رائے رکھتے ہیں۔

(1) آیت مذکورہ میں جس خواب کا ذکر ہے اس کا تعلق بدر یا فتح مکہ سے ہے۔ بدر کے موقع پر آپ کو خواب دکھایا گیا۔

اذ یریکھم اللہ فی منامک قلیلا۔

"جب اللہ نے آپؐ کو خواب میں ان (کافروں) کی تعداد کم دکھائی"۔

اور داخلہ مکہ والا خواب اس آیت میں مذکور ہے۔

لقد صدق اللہ رسوله الرویا بالحق لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ (فتح 27)

"بے شک اللہ نے اپنے رسولؐ کے رویائے حق کو سچا کر دیا۔ انشاء اللہ تم مکہ میں ضرور داخل ہو گے"۔

لہٰذا اس آیت میں ان ہی خوابوں میں سے کسی ایک کا ذکر ہے۔ ان میں آزمائش کا پہلو بھی موجود ہے اور مفسرین بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں لسان العرب نے کہا ہے "رویا" بعض اوقات بیداری کے واقعات پر بھی صادق آتا ہے۔ شعرائے عرب میں راعی اور متنبی کے اشعار اس کے حق میں ہیں اور بخاری میں حضرت ابن عباس نے اس رویا کو آنکھ کی رویت قرار دیا ہے۔

(2) حضرت عائشہ کی روایت مذکورہ کا راوی ابن اسحٰق ہے جو کہتا ہے۔ حدثنی بعض آل ابی بکر۔ مجھے ابوبکر کے خاندان سے کسی نے یہ حدیث سنائی۔ (سیرۃ ابن ہشام حوالہ مذکورہ)

گویا راوی کا نام ذکر نہیں کیا اور اس قسم کی روایت محدثین کے ہاں قابل قبول نہیں ہوتی، نیز معراج کے زمانے تک حضرت عائشہؓ حضور کے نکاح میں نہ آئی تھیں۔

(3) حضرت امیر معاویہؓ کی ذاتی رائے ہے اس کی تائید میں انہوں نے کسی آیت یا حدیث کا ذکر نہیں کیا اور وہ بھی معراج کے وقت تک ایمان نہیں لائے تھے۔

(4) جس روایت میں "استیقظت" کا لفظ ہے وہ صرف شریک راوی کے ذریعے سے منقول ہے اور شریک کے متعلق علمائے حدیث نے کہا۔ "حافظ حدیث نہیں ہے"۔ پھر اس مشہور واقعہ سے پہلے حضورؐ نے عالم خواب میں بھی یہ منظر دیکھا تھا۔ ممکن ہے یہ روایت اس کیفیت سے متعلق ہو۔ اس بحث کے علاوہ میرے خیال میں آیت قرآنی کے الفاظ کو دیکھنا چاہیے جس میں معراج کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ "سبحن الذی اسریٰ بعبدہ"۔ میں اسریٰ کا لفظ آیا ہے۔ جو رات کے سفر پر بولا جاتا ہے اور اس سے واقعی سفر مراد ہوتا ہے نہ کہ خواب یا کشف کی حالت۔ خود قرآن میں دوسری جگہ اس کے معنی کی وضاحت موجود ہے۔ حضرت موسیٰ کو حکم ہوا۔

فاسر بعبادی لیلاً انکم متبعون۔ (دخان:23)

"پس میرے بندوں کو ساتھ لیکر رات ہی سفر کرو کہ تمہارا تعاقب ہوگا"۔

اسی طرح سورۃ طٰہٰ، شعراء، ہود اور حجر میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم کے لیے آتا ہے۔

اس کے بعد بحث کا عقلی رخ سامنے آتا ہے کہ انسانی علم اور تجربہ اس واقعہ کے بارے میں کیا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ اس سلسلہ میں عمومی قسم کے ذہن فوراً ہی آخری بات کہہ دیا کرتے ہیں لیکن میرے خیال میں ایسے مباحث، انتہائی محتاط اور گہرے غور و فکر کے مستحق ہوتے ہیں۔ ایک طرف ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات انبیاء کے متعلق قرآن اور بائبل میں موجود ہیں۔ دوسری وہ علم اور تجربہ جس کے مفروضہ اصولوں کے پیش نظر ان واقعات کی تصدیق مشکل معلوم ہوتی ہے خود ایک ترقی پذیر چیز ہے اور انسانی علم کی حدیں مسلسل وسیع ہوتی جا رہی ہیں۔ چنانچہ غزالی اور رازی کے دور میں بطلیموس کی فلکیات پڑھنے والے کہتے تھے۔ آسمانوں میں کوئی کیسے جا سکتا ہے، افلاک کا خرق و التیام (کھلنا اور ملنا) ہی محال ہے۔ اس وقت ہمارے قائلین معراج جواب میں خرق التیام کو ممکن ثابت کرتے تھے لیکن ان کو کیا خبر تھی کہ ہمارے بعد آسمان کی یہ حقیقت ہی قابل تسلیم نہ رہے گی اور سائنس ان کے ٹھوس اجسام ہونے کی منکر ہو جائے گی۔

معراج کی راہ میں ایک دوسرا مزاحم "نظریہ ثقل" تھا۔ اس وقت انسانی ذہن پر اس کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اس دور کے سائنس دانوں کے سامنے اگر کوئی ہمارے خلاؤں اور میزائلوں کی پیشگوئی کرے تو اسے مجذوب اور پگلہ کہہ دیا جاتا ہے، ادھر آج کا انسان موجودہ حدود سے بھی جلد آگے نکل جانے کو

تیار ہے۔

بایں ہمہ خود مسلمانوں میں ہر دو مکتب خیال کے لوگ موجود ہیں اور یہ اسلام میں آزادی رائے کی گنجائش کی دلیل ہے۔ مصر کے مشہور جوہری طنطاوی معراج جسمانی اور معراج روحانی میں اختلاف کی تسبیق کے سلسلے اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

"حقیقت روح پر یورپ کی جدید تحقیقات میں یہ بات مسلم ہو چکی ہے کہ اس جسم میں روح کے علاوہ ایک اور ایثری جسم موجود ہے جو روشنی کی لہروں اور خیال کی موجوں کی رفتار سے اعمال سرانجام دے سکتا ہے۔ جب روح اس عام جسم سے خواہ بوقت موت اور خواہ بذریعہ ریاضت الگ ہوتی ہے تو پھر وہ اس جسم ایثری کو کنٹرول کرتی ہے۔ یہ جسم ہمارے اجسام کے مانند ہی ہوتا ہے مگر لطیف ہوتا ہے۔

ریمونڈ الانیا کی جنگ میں مارا گیا اور موت کے بعد خواب میں اپنے والد کو مل کر بتانے لگا کہ یہاں ہمارے اجسام بالکل تمہاری طرح ہیں۔ (تفسیر طنطاوی ج 9 ص 14'15)

اس کے بعد علامہ طنطاوی کہتے ہیں اگر حضورؐ جسم ایثری کے ساتھ گئے ہیں تو تمام آراء کی مطابقت ہو جاتی ہے کیونکہ اس کیفیت کو جسمانی کہنا بھی درست ہے اور روحانی کہنا بھی درست ہے۔ ویسے علامہ اس جسم کی معراج کا انکار نہیں کرتے اور کہتے ہیں:۔

"میں نے اس بحث کا دروازہ اس لیے کھولا ہے تاکہ میرے بعد آنے والے اس سے فکر و عمل کی نئی راہیں نکالیں۔

(تفسیر جوہری حوالہ بالا)

اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی مدنظر رہے کہ بعض عظیم انسانی روحیں طاقت اور عظمت کے اس مقام پر ہوتی ہیں کہ وہ جسم پر اپنے تصوف کے عجیب اثرات ڈال لیتی ہیں۔ آج کے علم النفس اور مسمریزم اس اصول کی تائید کرتے ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم بھی واقعہ معراج کو بڑی اہمیت دیتے تھے اور وہ اس کے اسرار پر مدتوں تک غور کرتے رہتے۔ انہوں نے اپنے ایک مضمون A PLER FOR A DEEPER STUDY OF THE MUSLIM SCTENTISTS, میں ایک علمی کتاب کا حوالہ دیا ہے جس کا مصنف زمان و مکان TIMC AND SPACE کا ایک نیا تصور پیش کرتا ہے۔ وہ مکان کو مختلف نوعیتوں میں تقسیم کرتا ہے مثلاً۔

(1) ہمارے عام اجسام کا مکان۔

(2) اجسام لطیف کا مکان۔

(3) ارواح کا مکان۔

یعنی عام جسم جس مکان (DHACE) میں حرکت کرتے ہیں وہ مکان کثیف ہوتا ہے اور اس میں مزاحمت شدید ہوتی ہے۔ لہٰذا متحرک کی رفتار سست رہتی ہے مگر لطیف اشیاء مثلاً ہوا اور روشنی کا امکان SPACE لطیف ہوتا ہے۔ اس میں مزاحمت کم ہوتی ہے۔ لہٰذا رفتار کئی گنا تیز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وہ اپنی تھیوری کی تمام کڑیاں سامنے لاتا ہے اور زمان و مکان کی اقسام کو دلائل کے ساتھ سمجھاتا ہے۔ اس گفتگو میں وہ کہتا ہے کہ جب کوئی عظیم انسانی روح اپنے جسم کو جسم لطیف پر لے آتی ہے تو پھر اس کی رفتار حیرت کی حد تک سریع ہو جاتی ہے۔

زمان و مکان کی قسموں کا نظریہ اب سائنس میں مسلم ہے اور اس پر تحقیق جاری ہے۔ اقبال مرحوم کا یہ مضمون ISLAMIC CULTURE حیدر آباد کے اپریل 1929ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

بہرکیف اسلام میں معراج جسمانی کا نظریہ انسانی جسم کے آخری مقام کا مظہر ہے۔ سائنس اور تجربے کو کچھ اور مہلت دیجئے۔ اور اس دن کا انتظام کیجئے جب کہ انسانی عظمت و طاقت کے مزید اسرار ہویدا ہوں گے اور آج کے ناممکنات کو ممکنات میں ڈالیں گے۔

مقصد

معراج نبویؐ کے مقاصد و آثار کے لیے نبوت کی حقیقت کا سمجھنا ضروری ہے۔ دراصل مقام نبوت کے تصور کے متعلق قرآن پاک ایک خاص نظریہ پیش کرتا ہے۔ جس کے پیش نظر نبیؐ عام انسانیت سے بعض مخصوص احکام کے ساتھ ممتاز کر لیا جاتا ہے۔ ان احکام میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ انبیاء کو ان کے حسب حال کائنات اور زندگی کے پوشیدہ نظام کا مشاہدہ کرایا جاتا ہے تاکہ انبیاء جن حقیقتوں پر ایمان بالغیب لانے کی دعوت دیتے ہیں وہ خود انہیں مشاہدۃً دیکھ کر اطمینان کی آخری منزل پر پہنچ جائیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں۔

رَبِّ ارنی کیف تحی الموتیٰ (بقرہ 46)

اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ آرزو پوری کر دی جاتی ہے اور پھر زندگی کے مشاہدے پر ہی اکتفا نہیں بلکہ فرمایا جاتا ہے۔

وکذلک نری ابراھیم ملکوت السموت و الارض ولیکون من الموقنین (انعام 75)

"اور اسی طرح ہم ابراہیمؑ کو آسمان و زمین میں سلطنت دکھاتے ہیں تاکہ وہ کامل یقین والوں میں سے ہو"۔

بس اسی مشاہدے کی تکمیلی شکل ہمارے حضورؐ کے واقعہ معراج کی آیت کے خاتمے پر یہ فقرہ ہے لنریہ من آیاتنا (بنی اسرائیل) تاکہ اسے اپنی نشانیاں دکھائیں۔

پھر حضورؐ کی زندگی میں یہ واقعہ حالات کے جس موڑ پر رونما ہوا وہ بھی اس کے مقصد کی وضاحت کرتا ہے یعنی ہجرت سے ایک سال قبل مسجد اقصیٰ کا یہ سفر کرا دیا جاتا ہے تاکہ ہجرت کے بعد اللہ کے نبی نے جن اقوام و قبائل کو خطاب کرنا ہے اور جن کی گذشتہ تاریخ کے تذکرے مدنی سورتوں میں بار بار آتے ہیں۔ ان قوموں کے دینی مراکز اور مقامات و آثار سے آپ کو مکمل واقفیت حاصل ہو جائے۔ ہجرت اور معراج کے اسی ربط کی وجہ سے اسی سورہ اسریٰ کی آیت نمبر 80 میں ہجرت کی پیش گوئی دعا کی شکل میں مذکور ہے۔

رب ادخلنی مدخل صدقٍ و اخرجنی ہ خرج صدقی (بنی اسرائیل 80)

"اے پروردگار مجھے اچھائی کے ساتھ داخل کرنا اور اچھائی کے ساتھ نکالنا"۔

دوسری بات یہ ہے کہ بارہ سالہ مکی زندگی کے بعد اب حضورؐ کا مشن ایک نئے مرحلے میں داخل ہونے والا تھا یعنی عنقریب ہی آپ نے مدینہ کی ریاست میں ایک نیا نظام زندگی عملاً نافذ کرنا تھا لہٰذا اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو دربار قرب میں بلا کر وہ اصول و قانون بتا دیئے جن پر اسلامی زندگی کی عمارت کھڑی کی جانی تھی چنانچہ اسی صورت میں جس کی ابتدا معراج کے ذکر سے ہے۔ اسلام کے نظام تمدن، معیشت اور اخلاق کی بنیادیں واضح کر دی گئی ہیں اور معراج کے اثرات میں یہ حقیقت کبھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ واقعہ معراج نے کائنات کی حد بندیوں اور انسان کی عظمتوں پر پہلی بار روشنی ڈالی۔ حتیٰ کہ حضورؐ کے بعد کا انسان آج ستاروں کا شکار کھیلنے کی تیاری میں مصروف ہے جب کہ حضورؐ سے پہلے کا انسان، چاند ستاروں اور سورج کی مہیب عظمت کے سامنے سجدہ ریز ہوا کرتا تھا۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰؐ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

(اقبال)

بھارت میں نچلی ذاتوں کی حالت زار پر جسٹس منڈل کی چشم کشا رپورٹ

اردو میں پہلی بار

— اسماعیل آزاد —

آج کا ہندوستان مہذب دنیا میں سب سے بڑی جمہوریت ہونے کا دعوے دار ہے اس بنیاد پر مغرب کے جمہوریت پسند انسانی حقوق کے دعوے دار ہندوستان کو عالمی سیاست میں خاصی اہمیت دیتے ہیں مگر ہندوستان میں ہندو مذہب کے مطابق ذات پات کا نظام تاریخ کا بدترین سماجی نظام ہے۔ اس نظام کا مکروہ چہرہ بھارتی حکومت کا قائم کردہ عدالتی کمیشن برائے پسماندہ ذاتیں 1980ء جسے اس کمیشن کے سربراہ جسٹس منڈل کے نام سے منڈل کمیشن اور رپورٹ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سے عیاں ہو جاتا ہے۔ پاکستان میں آریہ سماج کے ماہر جناب اسماعیل آزاد نے منڈل کمیشن رپورٹ کے ایک باب کا ترجمہ کر کے پاکستان کے اردو دان قارئین بالخصوص قارئین ساحل تک منڈل کمیشن رپورٹ تک رسائی کا سامان کیا ہے۔ یہ رپورٹ معلوماتی اور تاریخی اعتبار سے چشم کشا ہے بلاشبہ منڈل کمیشن رپورٹ مہذب دنیا میں ہندو معاشرے میں قائم ذات پات کے ظالمانہ نظام کے حوالے سے ایک دستاویز ہے۔

ذات پات ہندو سماجی عمارت کی اینٹیں ہیں۔ سماجی مورخین نے ہر قسم کی اچھائیوں اور برائیوں کو ذات پات کے نظام کی طرف منسوب کیا ہے۔ لیکن یہ تنازعہ ہمارے مقصد سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ یہاں ہمارا تعلق صرف اس طریق کار سے ہے جس میں ذات پات نے ہندو سماج کے تصور کو ان کے مختلف پیدائشی موروثی گروہوں میں بانٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے پروفیسر "ودیا اپنی کتاب" ہم عصر ہندو فلاسفی میں یوں تبصرہ کیا ہے "اشتروں کی اعلیٰ مابعد الطبیعات اور گیتا کے اخلاقیات کو ذات پات کے ظلم کے ذریعے محض زبانی الفاظ کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ تمام عالم کی وحدت کو اہمیت دینے کے باوجود ہندوستان نے ایسا سماجی نظام بنایا جس میں اس کے بچوں کو علیحدہ علیحدہ حصوں میں تقسیم کر دیا۔ جو صدیوں اور کئی نسلوں سے ایک دوسرے سے الگ ہیں"۔ یہ بھی کہا جانا چاہئے کہ تقسیم کے اس عمل میں وہ گروہ جن کو ذاتیں قرار دیا گیا ہے۔ ان کو ہمیشہ کے لئے اعلیٰ یا ادنیٰ درجہ ان کی پیدائش کی بنیاد پر دیا گیا۔ اس مذہبی درجہ بندی اور ذات پات کا لازمی نتیجہ ایسے مفاد پرست اور گہری جڑیں رکھنے والوں کو پیدا کرنا تھا اور ان اعلیٰ ذاتوں کو اس قابل بنانا تھا کہ وہ اس نظام کے ذریعے نچلی ذاتوں کا استحصال کریں۔

حکام کے خدائی حقوق کی باتیں بہت سے ملکوں میں کی گئیں لیکن اس تصور کا فولادی سانچہ صرف ہندوستان میں بنایا گیا

اس معاملے میں درحقیقت کوئی بات غیر معمولی نہیں۔ حاکم طبقوں نے ہر جگہ اپنی مراعات کو ہر قسم کی ترکیبوں سے برقرار اور جاری رکھا اور حاکم طبقے نے ہمیشہ اس کام میں مذہبی طبقے سے تعاون کیا قرون وسطی کی مشہور کہاوت کا تذکرہ Owst نے کیا ہے۔ لکھتا ہے۔ ہر شخص چاہے وہ حاکم ہو یا پادری۔ مزدور ہو تاجر۔ اس کا اولین فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنی خاص طبعی افتاد کو سمجھے اور اسی کا پیشہ اختیار کرے اور دوسروں کے کاموں میں نہ دخل دے نہ انہیں اختیار کرنے یا ان کے رموز سے واقف ہونے کی کوشش کرے۔ سماجی درجے اور ان کی بالترتیب خدمات جو انسانیت کے لئے خدا کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں۔ وہ باقی رہنے کے لئے ہیں اور ناقابل تبدیل ہیں۔ جیسا کہ انسانی اعضاء جو ایک دوسرے کی جگہ یا اس کے کام کے لئے تبدیل نہیں کئے جاسکتے۔

ہندوستان میں ذات پات کے نظام کو تین ہزار سال سے برداشت کیا جارہا ہے اور آج بھی اس نظام کے جلد ختم ہونے کے آثار نہیں

and pulpit in Medival England
(Literature
by g.r owst oxford 1961)

یہ بیان برہمنوں کے نظریہ ذات پات کے کتنا قریب ہے جس کی ہر شخص توقع کر سکتا ہے رگ وید سمہتا کے پرش سوکت میں سب سے پہلے چار ورنوں کا حوالہ ملتا ہے۔ کہ ابتدائی قربانی کے بعد (قربان کئے جانے والے انسان) اس کے منہ سے برہمن۔ بازوؤں سے کشتری۔ رانوں سے ویشیہ اور اس کے دونوں پیروں سے شودر پیدا ہوئے۔ (رگ وید 90-10)

مذکورہ انگریز پادری اور رگ وید کم وبیش ایک ہی بات کر رہے ہیں اور حکام کے خدائی حقوق کی باتیں بہت سے ملکوں میں کی گئیں لیکن اس تصور کا ایک فولادی سانچہ صرف ہندوستان میں بنایا گیا۔

ذات پات کے نظام کی کامیابی برہمن کے اقتدار اعلیٰ کو برقرار رکھنے میں نہیں۔ بلکہ نچلی ذاتوں کے شعور کو ایسے ڈھالنے میں ہے کہ وہ اس مذہبی موروثیت کو فطری طریقہ تسلیم کر لیں۔ ہندوستان میں ذات پات کے نظام کو تین ہزار برس سے برداشت کیا جارہا ہے اور آج بھی اس نظام کے جلد ختم ہونے کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ خالص سماجی حوالے سے کوئی سماج جس میں اس درجہ عدم مساوات اور عظیم اکثریت کے ساتھ امتیازی سلوک کے عناصر ہوں۔ اتنے عرصے تک باقی نہیں رہ سکتا۔ مذہبی کتب اور علم الاصنام اور مذہبی رسوم کا یہ ایک تفصیلی پیچیدہ اور نازک نظام ہے جس کی وجہ سے برہمن ازم۔ ذات پات کے نظام کو ایسی اخلاقی سند دینے میں کامیاب ہوا۔ جس کو کسی بھی عظیم مصلح نے چیلنج نہیں کیا علم الاصنام اور مذہب کو اس جادوئی جال کے بننے میں کیسے استعمال کیا گیا اس کو ہم چند مشہور مثالوں سے واضح کرنے کی کوشش کریں گے۔

ذات پات کے نظام کی خدائی اصلیت کی سند ہندوؤں کی مقدس ترین کتابوں میں ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا رگ وید نے (ذات پات) دونوں کی پیدائش پرش کے اعضاء سے اور تامتر یا برہمن کے خالق کے اعضاء سے نہ صرف بیان کیا بلکہ اس کی تشریح میں مذہبی اصلیت اور ان کے مختلف اعمال اور حیثیت کے لئے خدائی جواز پیش کیا ہے گیتا میں کرشن جی کہتے ہیں چار ذاتوں کی تقسیم کو ان کے اعمال اور ان کی کیفیت (پیدائشی) کی بنا پر میں نے تخلیق کیا ہے۔

تمام ہندو شاستر (قانونی کتب) ذات پات کی تقسیم کو تسلیم کرتے ہیں سارے پران (تاریخی کتب) ذات پات کی موجودگی کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کو سماج کی مستقل تنظیم سمجھتے ہیں۔

(Hindu Society at Cross Rords by
K.M
Pannikar Asia publishing House

Bombay 1971

مہاراشٹر میں نیچ ذات مہار کو سڑک پر تھوکنے کی اجازت نہیں مبادا کسی پاک ذات ہندو کا پاؤں اس سے آلودہ ہو اور وہ ناپاک ہو جائے چنانچہ اسے اپنے گلے میں ایک مٹی کا برتن لٹکا کر رکھنا پڑتا ہے تاکہ وقت ضرورت اس میں تھوک سکے اس طرح کسی کانٹے دار درخت کی شاخ اسے اپنے پیچھے گھسٹتی ہوئی رکھنی پڑتی ہے تاکہ اس کے نقش قدم زمین پر سے مٹتے رہیں۔ اس طرح اگر کوئی برہمن ذات اس کے پاس سے گزرے تو وہ نیچ ذات فوراً زمین پر لیٹ جائے تاکہ اس کا ناپاک سایہ اس برہمن کو ناپاک نہ کر دیں۔

دھرم شاستر (قانونی کتب) بیان کرتی ہیں کہ اگر آدمی اچھے اعمال کرے تو اس کے نتیجے میں آئندہ زندگی میں جزا کے طور پر اونچی ذات میں پیدا ہوگا۔ اور اگر اس نے بد اعمال کیے ہوں تو وہ کسی نچلی ذات یا کسی جانور۔ سور یا گدھے کی شکل میں پیدا ہوگا۔

(Caste in modern india by srinivas asia publishing house bombay 1964)

ہندو سماج کی چار ذاتوں میں تقسیم نے برہمن قدامت پرستی کو وہ بنیادی چٹان فراہم کی جس پر اس نے ذات پات کی پوری عمارت تعمیر کر دی۔ اس تصور کے بنیادی خدوخال میں پاکیزگی اور گندگی کا تصور ہے۔ ہندوستان میں ذاتیں پانچ حصوں میں تقسیم کی جا سکتی ہیں۔ (1) دوسری مرتبہ پیدا ہونے والا (برہمن) (2) وہ جن کے ہاتھ سے برہمن پکا ہوا کھانا لے سکتا ہے۔ (3) جن کے ہاتھ سے پکا ہوا کھانا نہیں لے سکتا۔ صرف پانی لے سکتا ہے۔ (4) ایسی ذات جو اچھوت تو نہیں لیکن ان کے ہاتھ سے برہمن پانی نہیں پی سکتا۔ (5) آخر میں وہ ذاتیں ہیں جن کے محض چھو لینے سے برہمن اور دوسری ذاتیں گندی اور ناپاک ہو جاتی ہیں۔

(Caste and class in india by Dr G.S ghure the popular book depot bombay)

شودر اگر برہمن سے چوبیس قدم کے فاصلے تک آ جائے تو برہمن ناپاک ہو جاتا ہے۔ کوئی نایار (ایک نیچ ذات) کسی برہمن کے قریب تو جا سکتا ہے لیکن اسے چھو نہیں سکتا۔ رتیان (ایک نیچ ذات) کو چاہیے کہ وہ خود کے اور برہمن کے درمیان 36 قدم کا فاصلہ رکھے۔ اور پلایان (ایک نیچ ذات) برہمن سے چھیانوے قدم دور ہے۔ تیان کو نایار سے بارہ قدم اور بعض ذاتوں کو تیان کے قریب جانے کی اجازت ہے لیکن اسے چھونے کی نہیں (حوالہ بالا 9-4)

مہاراشٹر میں نیچ قوم مہار کو سڑک پر تھوکنے کی اجازت نہیں مبادا کسی پاک ذات ہندو کا پاؤں اس سے آلودہ ہو اور وہ ناپاک ہو جائے چنانچہ اسے اپنے گلے میں ایک مٹی کا برتن لٹکا کر رکھنا پڑتا ہے تاکہ وقت ضرورت اس میں تھوک سکے۔ اسی طرح کسی کانٹے دار درخت کی شاخ اسے اپنے پیچھے گھسٹتی ہوئی رکھنی پڑتی ہے تاکہ اس کے نقش قدم زمین پر سے مٹتے رہیں۔ اسی طرح اگر کوئی برہمن اس کے پاس سے گزرے تو وہ نیچ ذات فوراً زمین پر لیٹ جائے تاکہ اس کا ناپاک سایہ اس برہمن کو ناپاک نہ کر دے (حوالہ بالا 9-4)

ایک سماجیات کے ماہر نے مندرجہ ذیل عبارت نظر سے ناپاک ہو جانے کے نمونے کے طور پر روزنامہ ہندو مورخہ 24 دسمبر 1922ء کے حوالے سے درج کی ہے۔

اس ضلع تنیولی میں ایک ذات نظر نہ آنے والی ہے جسے پورا داونا کہتے ہیں۔ انہیں دن میں باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ ان کو دیکھنے سے بڑی ذات والے ناپاک ہو جاتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ جو اونچی ذاتوں کے کپڑے دھوتے ہیں یہ آدھی رات اور سحر تک یہ کام کرتے ہیں۔ ان سے انٹرویو کے لئے بڑی مشکل سے انہیں دن کے وقت باہر لایا گیا۔

(Nise and awakening of Depressed) classes In India by J.r Kamble natonal publishing house new Delhi 1979

سزا دینے یا ٹیکس عائد کرنے میں بھی فرد کی ذات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ برہمن کام ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھے۔ برہمن کی شخصیت اور اس کی جائیداد کسی بھی دراندازی سے محفوظ تھے کوٹلیا (ارتھ شاستر کا مصنف) نے مختلف ذاتوں کے لئے سود کے مختلف پیمانے رکھے تھے برہمن پر صفر فیصد کشتری پر تین فیصد ویشیہ پر چار فیصد اور شودر پر پانچ فیصد دنیا میں جو کچھ بھی ہے اس پر برہمن کا حق ہے در حقیقت سارا عالم اس کی جائیداد ہے اور لوگ اس کی خیرات پر جیتے ہیں۔ مہابھارت میں کہا ہے۔ شودر کو مطلق جائیداد کے رکھنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اس کی جائیداد اس کے مالک کی مرضی کے مطابق حاصل کی جا سکتی ہے۔

معاملات کے قانونی تصفیے کے سلسلے میں کسی برہمن اور غیر برہمن کے درمیان مقامی جھگڑا ہو تو ثالث یا گواہ کو برہمن کی طرف داری کرنی چاہیے شت پتھ برہمن کی رو سے اصل قتل صرف برہمن کا قتل ہے۔ جبکہ یجر وید کہتا ہے کہ سب سے زیادہ قابل نفرت قتل برہمن کا قتل ہے۔

دوسری طرف منو جی کہتے ہیں کہ کسی برہمن کے ہاتھوں شودر کا قتل کسی بلی نیولے، پرندے، مینڈک، چھپکلی، الو یا کوے کے قتل کے برابر ہے۔

(J.R Ramble)

منو جی نے کہا ہے کہ کسی بھی ممکن جرم میں ملوث برہمن کو راجہ قید نہ کرے جبکہ اسے اس کی پوری جائیداد اور صحت جسم کے ساتھ ملک بدر کرے۔ زمین پر برہمن کے قتل سے بڑا جرم کوئی نہیں اس لئے راجہ کو پجاری (برہمن) کے قتل کا خیال بھی دل میں نہ لانا چاہیے۔

(Code of manu quoted by J"R (Kamble

اگر کوئی شودر برہمن کا نام نفرت انگیز اور بدزبانی کے ساتھ لے تو دس انگل لمبی گرم میخ اس کے منہ میں ٹھونک دی جائے۔

ذات پات پر مبنی امتیازی سلوک کی اس تفصیل کے ساتھ اشاعت ہوئی اور اس پر عمل ہوا جو اس حقیقت سے واضح ہو جاتا ہے کہ نچلی ذاتوں کو لباس میں اونچی ذاتوں کو نقل کرنے کی اجازت نہ تھی۔ شودروں اور اونچی ذاتوں کے درمیان جنیو (مقدس دھاگہ) تقسیم کا ایک خط تھا۔ پچھلے دنوں نچلی ذات والوں نے جنیو پہننے کی کوشش کی جس کی پر تشدد مزاحمت اونچی ذات والوں نے کی مالابار کے تاڑی نکالنے والے اور مشرقی ساحل پر رہنے والے ازھاوا اور شارا اقوام کو چھتری استعمال کرنے، جوتے پہننے، سونے کے زیورات پہننے گائے کا دودھ دوہنے اور ملک کی عام زبان استعمال کرنے کا حق نہ تھا۔

کسی برہمن کے ہاتھوں شودر کا قتل کسی بلی نیولے، پرندے، مینڈک، چھپکلی الو یا کوے کے قتل کے برابر ہے

(Caste and class in india ghurye)

میسور ریاست میں بعض نچلی ذاتوں کی عورتوں کو اپنا سینہ ڈھانپنے کی ممانعت تھی۔ اس پر تندوتیز بحث چل نکلی اور سیاسی لڑ پیدا ہوئی۔ آخر کار مہاراجہ میسور نے ایک شاہی فرمان جاری کیا کہ ان نچلی ذات کی عورتوں کو جیسے چاہیں اپنے سینے ڈھانپنے کی اجازت ہے البتہ اونچی ذات والوں کے لباس اور سر کے بال گوندھنے کے طریقوں کی نقل کرنے کی ممانعت کردی۔

Rao)(Social movements and social
trawsarmation by M.S.A

مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہوگا کہ شودر کے نجی سماجی اور معاشی احوال بڑی شدت سے اس کی نچلی ذات ہونے کی وجہ سے متاثر تھے علم الاصنام اور مذہبی کتب کو بھی اس دباؤ میں استعمال کیا گیا تاکہ برہمن کی نسلی برتری اور نچلے درجے کے شودروں کی کمتری ثابت ہو۔ مثال کے طور پر تلسی درس نے اپنی رامائن میں کہا ہے "برہمن کی عزت کرو۔ اگرچہ کہ وہ تمام نیکیوں سے عاری ہو لیکن شودر اگر تمام نیکیوں اور علوم سے پرہوت ہو تو مگر اس کی عزت نہ کرو۔

اپستھمب شاستر (قانونی کتاب) کے حوالے سے Ghurye کہتے ہیں۔ "سو برس کی عمر کا کشتری اور دس برس کے برہمن میں سے آخرالذکر کو باپ کی مانند کہا گیا ہے۔

والمیکی رامائن نے مشہور شودر شمبوک کی تاریخ لکھی ہے جس نے بارہ سال تک اپنے پاؤں سے درخت پر لٹک کر ریاضت کی ایک برہمن کے بچے کی وفات پر جبکہ اس کے ماں باپ زندہ تھے۔ بعض برہمنوں نے اس برہمن کے لڑکے کی موت کو شمبوک کے دھرم سے ارتداد کر کے شودر ہونے کے باوجود ریاضت کے نتیجے میں عذاب قرار دیا رام چندر جی اتر کھنڈ گئے اور اس الزام کی صداقت سے واقفیت کے بعد شمبوک کا سر اس جرم میں قلم کردیا (اور برہمن کا لڑکا جی اٹھا)

(یہ کہانی تلسی نے بھی اپنی رامائن میں رام راجیہ کے عنوان سے لکھی ہے فرق اتنا ہے کہ والمیک نے اتر کھنڈ کو اس کی ریاضت کی جگہ قرار دیا ہے جبکہ تلسی نے بندھیا چل منڈلی صاحب نے تسلی کا تذکرہ نہیں کیا)

مہابھارت نے ایک قبائلی لڑکے اکلابیا کی کہانی لکھی ہے جو گرو درون اچاریہ کے پاس تیر اندازی سیکھنے کے لئے گیا گرو نے انکار کردیا کیونکہ یہ علم صرف کشتری ہی کو سکھایا جاسکتا تھا۔ ایک دن گرو درون آچاریہ اپنے شاگردوں کورووں اور پانڈوؤں کے ساتھ تیر اندازی کی مشق کے لئے جنگل میں گئے ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا جیسے ہی وہ بھونکا ایک تیر اس کے منہ میں آ لگا۔ جنگل میں پوشیدہ کسی تیر انداز نے یہ تیر محض کتے کی آواز پر نشانہ مارا تھا درون آچاریہ سمجھتے تھے کہ یہ نشانہ بازی صرف ارجن ہی کرسکتے تھے۔ انہوں نے تیر انداز کو آواز دی اور اکلابیا جنگل سے باہر آیا اور کتے کو تیر سے مارنے کا اعتراف کیا اس کے استاد کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ اس نے جنگل میں درون آچاریہ کا ایک مجسمہ نصب کیا اور اس سے یہ فن سیکھا۔ درون آچاریہ نے گرو کے نذرانے میں اس کے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا طلب کیا اکلاہا نے بخوشی اپنے استاد کی خواہش پوری کردی اگرچہ کہ وہ اس کے بعد اپنے معذور ہاتھ سے تیر اندازی کے قابل نہ رہا۔

اگر مذہب کو کہیں عوام کے لئے بطور افیون استعمال کیا گیا تو یہ ہندوستان میں کیا گیا جہاں ایک قبیل کے مذہبی عالموں نے اپنے نازک طریقہ کار سے وسیع اکثریت کی افکار پر پابندی لگادی۔ اور صدیوں سے ان پر ایسا جادو کردیا کہ وہ ذلت اور غلامی کے کردار کو قبول کرلیں۔ چونکہ شودر بحیثیت مزدور' کاشت کار' اہل حرفہ اصل میں قدر زائد پیدا کرتے تھے۔ ان کی سماجی محنت ہندوستان کے تمدنی نظام میں حیات بخش خون کی حیثیت رکھتی تھی اس کے باوجود انہیں ذات سے خارج افراد کی طرح ان سے سلوک کیا گیا ان کو نجی ملکیت کا کوئی حق نہ تھا ٹیکسوں کا اصل بوجھ وہی برداشت کرتے تھے اور اس سماجی قانون کی چھوٹی سی خلاف ورزی پر انہیں بھاری سزائیں دی جاتی تھیں چونکہ ان کی نیچ ذلت کا درجہ ان کی پیدائش سے تعلق رکھتا تھا وہ محنت کرتے تھے اور بغیر کسی امید کے تکالیف جھیلتے تھے۔

گاندھی جی نے چھوت چھات کے خلاف اپنے جہاد میں گیتا کے اس عنوان کو ترقی دی۔ لیکن گیتا کے نظریہ ذات پات اور گاندھی جی کے اس جہاد کا عام آدمی کے ذات پات کے تصور والے نظام پر کیا اثر پڑا۔ زندہ سماجی حقیقتوں میں جو چیز شمار میں آتی ہے وہ لوگوں کی عظیم مذہبی تصانیف میں شامل بہترین مابعد الطبعاتی تصورات نہیں بلکہ وہ من گھڑت خیالات جو لوگوں کے شعور میں جاگزیں ہوئے اور ان کے نظریہ کائنات کا ایک حصہ بن گئے ان معنی میں ذات پات کے نظام کا مطلب ہندو سماج کو ایک دوسرے سے قطعاً علیحدہ ان گنت ذاتوں میں تقسیم کرنا تھا جو صرف اپنی ذات ہی میں شادی بیاہ کریں کھانا کھائیں۔ اور وسیع طور پر روایتی پیشے اختیار کریں۔

اس کے علاوہ پیدائش ان کی ذات کا تقرر کرتی ہے اور ہر ذات کا مذہبی موروثی رسومات میں ایک مقررہ درجہ ہے۔ مذکورہ بالا سماجی تنظیم کا منصوبہ جو تین ہزار سال سے چلا آرہا ہے مختلف ذاتوں اور قومیتوں کی ترقی میں اس کے دوررس اثرات ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر اعلیٰ علم کے تنہا امین ہونے کی وجہ سے برہمن ایک اعلیٰ اخلاقی قومیت بن گئے جن میں اعلیٰ ذہنی ترقیوں کا مادہ تھا۔ دوسری طرف شودر جو مسلسل سماجی' تعلیمی' ثقافتی اور معاشی محرومی کے ماتحت رہے ہیں انہوں نے جہالت پر مبنی پیشے اور رویے اختیار کئے۔ رجنی کوٹھاری کی کتاب Caste in indian piltics کی یہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ کس طرح نچلی ذاتیں سری اونچی ذاتوں کے مقابلے میں کمتر ثابت ہوئیں جبکہ زمین بے دست و پا کرنے والی بہت سی رکاوٹیں دور کردی گئی تھیں۔ وہ کہتے ہیں جب کسی اعلیٰ تعلیمی ادارے یا سرکاری ملازمتوں میں برہمن داخل ہوئے۔ انہوں نے ہر جگہ ایسی خفیہ گروہ بندی کی کہ اس سے غیر برہمنوں کو الگ رکھا۔

1892ء اور 1904ء کے درمیان I.C.S کے سولہ کامیاب امیدواروں میں سے پندرہ برہمن تھے 1914ء ایک سو اٹھائیس مستقل ضلعی منصوبوں میں سے ترانوے برہمن تھے۔ 1944ء میں یونیورسٹی کے چھ سو رجسٹرڈ گریجویٹس میں سے چار سوبادن برہمن تھے۔

> اگر کوئی شودر برہمن کا نام نفرت انگیز اور بدزبانی کے ساتھ لے تو دس انگل لمبی گرم میخ اس کے "منہ میں ٹھونک دی جائے"۔
>
> ہندوؤں میں پیدائش ان کی ذات کا تقرر کرتی ہے اور ہر ذات کا مذہبی موروثی رسومات میں ایک معین درجہ ہے۔

درحقیقت ذات پات کی حیثیت کا کردار سماج پر اتنا چھایا ہوا تھا کہ انصاف کرنے کا تصور بھی اسی عقیدے کے مکمل رنگ میں رنگین ہوگیا چونکہ ہم آج کل قانون کی حکومت کے تصور کے عادی ہیں۔ تو اس تصور کا قدیم ہندو سماج کے تصور قانون کا تقابلی مطالعہ دلچسپی کا باعث ہوگا جس میں کسی فرد کی قدروقیمت اس کی ذات پات کی موروثیت سے تعلق رکھتی ہے۔

انگریزوں کے نزدیک تو قانون کی روا گر اسے عالمگیر اور غیر جانبدار ہونا چاہئے تو اسے اندھا ہونا چاہئے۔ یہی خیال انصاف کی دیوی کو قدیم لباس میں ملبوس ایسی نابینا خاتون کے

بیت المال کی اہمیت

مسلمان خاتون کا ایثار

محمد عاطف خوشنود

دختران اسلام نے ہمیشہ اپنی پاکیزہ زندگیوں میں دین کی خدمت اور زندگی کے اعلیٰ اسلوب قائم کرنے کی خاطر راہنما کردار انجام دیا۔ اخلاقی برتری اور حسن سلوک کی اپنے قول و عمل سے بہترین مثالیں قائم کیں۔ اصول و اخلاق کی پاسداری کا ایک واقعہ تاریخ اسلام کے اوراق سے یوں روایت ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے خلیفہ بننے کے بعد مسجد میں مسلمانوں کا اجتماع کر کے اپنی تمام خاندانی جاگیروں اور عطیات کی اسناد ضائع کر دی تھیں اور اس بے بہا مالی ورثہ کو حقیقی وارثوں کے حق میں بیت المال میں جمع کرا دیا تھا۔ لیکن خلیفہ وقت کو اپنے اس عمل سے تسلی نہ ہوئی۔ آپ نے اپنا ذاتی مال و دولت بیت المال میں جمع کرایا اور گھر پہنچ کر اپنی بیوی سے کہا کہ۔

”تمہارے والد خلیفہ عبدالملک کے دیئے ہوئے جو جواہرات ہیں وہ مجھے لا کر دے دو تاکہ میں ان کو بیت المال میں جمع کرا دوں۔ اگر تمہیں یہ بات منظور نہیں اور تم یہ جواہرات اپنے پاس ہی رکھنا چاہتی ہو تو رکھ لو لیکن مجھ سے اپنا تعلق ختم کر لو“۔

یہ کلمات سن کر خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی بیوی فاطمہ نے اسی وقت جواہر لا کر اپنے شوہر کو پیش کر دیئے۔ خلیفہ وقت نے جواہرات بیت المال میں ڈال دیئے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ وفات پا گئے۔ یزید بن عبدالملک نے خلافت کا منصب سنبھالا یزید نے اپنی بہن فاطمہ کو جو حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز کی زوجہ تھیں، بیت المال میں جمع محترمہ کے جواہرات کے بارے میں کہا کہ......

”بہن آپ پسند فرمائیں تو اپنے جواہرات واپس لے لیں اور بیت المال سے منگوائے دیتا ہوں“۔

دختر اسلام فاطمہ نے جواب دیا۔

”جو چیزیں اپنے شوہر کی زندگی میں اپنی خوشی سے بیت المال میں داخل کرا چکی ہوں اب ان کی وفات کے بعد واپس لینا مناسب نہیں سمجھتی اشیاء کو بیت المال میں ہی رہنے دیں“۔

خلیفہ عبدالملک کی بیٹی اور خلیفہ عمرؒ بن عبدالعزیز کی بیوی ہونے اور ناز و نعمت میں پرورش پانے کے باوجود اپنے شوہر کے ساتھ تنگی میں زندگی بسر کی۔ لیکن اپنے شوہر کی فرمانبرداری اور اپنے اصولوں کو عزیز رکھا۔ باری تعالیٰ ہماری نوجوان نسل کی خواتین کو اعلیٰ اخلاقی ادوار میں زندگی کے سنہری اصول و اسلوب اپنانے اور قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

نقش لاثانی الیکٹرونکس نور کوٹ روڈ شکر گڑھ

◆ ◆ ◆

اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

ایمان کے حقیقی و واقعی ہونے کی دو باتیں ضرور ہیں ، محمد ﷺ کی تعظیم اور محمد کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم، تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے۔ کہ تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت ، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو، جیسے تمہارے باپ، تمہارے استاد، تمہارے پیر، تمہاری اولاد ، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ کسے باشد، جب محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کریں اصلاً تمہارے قلب میں ان کی عظمت، ان کی محبت، کا نام و نشان نہ رہے فوراً ان سے الگ ہو جاؤ، ان کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو، ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر نہ تم اپنے رشتے، دوستی ، کا خیال کرو نہ اس کی مولویت، مشیخت، بزرگی ، فضیلت میں لاؤ کہ آخر یہ جو کچھ تھا۔ محمد ﷺ کی غلامی کی بنا پر تھا جب یہ شخص ان ہی کی شان میں گستاخ ہوا، پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا، اس کے جبے عمامے پر کیا جائیں، کیا بہتیرے یہودی جبے نہیں پہنتے، عمامے نہیں باندھتے ؟! اس کے نام و علم اور ظاہری فضل کو لے کر کیا کریں ؟ کیا بہتیرے پادری بکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم و فنون نہیں جانتے اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد ﷺ کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی اس نے حضور ﷺ سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی یا اسے ہر برے سے بدتر برا نہ جانا یا اسے برا کہنے پر برا مانا یا اسی قدر کہ تم نے اس امر میں بے پروائی منائی یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی تو للہ اب تم ہی انصاف کر لو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے قرآن و حدیث نے جس پر حصول ایمان کا دارو مدار رکھا تھا اس سے کتنی دور نکل گئے، مسلمانو! کیا جسے محمد ﷺ تمام جہان سے پیارے ہوں وہ ان کے گستاخ سے فوراً سخت شدید نفرت نہ کرے گا، اگرچہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو، واللہ اپنے حال پر رحم کرو۔

مجسمے کی شکل میں پیش کرتا ہے جس نے ایک متوازن ترازو کو ہاتھوں میں تھاما ہوا ہے ہندو قانون کے لئے اس کے بالکل خلاف ہونا درست کہا جاتا ہے۔ انسانوں کے درمیان ذات پات کے اختلافات کو ان کے قانونی تشخص، حقوق اور فرائض کے لئے مرکزی خیال سمجھا جاتا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ باوجود برٹش سلطنت کے زمانے میں قانون کی حکومت میں رہتے ہوئے اور اس کو اپنے دستور میں بنیادی پتھر کی حیثیت دینے کے حقیقی میدان عمل میں ہمارا قانون صاحب حیثیت لوگوں کو بہت سی مراعات دیتا ہے یہ دلچسپ نمونہ قدیم زمانے سے بطور رواج چلا آ رہا ہے۔

مذکورہ بالا مباحث کے مدنظر کیا یہ کہنا زیادتی ہوگی کہ روایتی ہندو سماج میں سماجی پسماندگی باراست ذات پات کے درجات کا نتیجہ ہے مزید یہ کہ بہت سی دوسری قسم کے پسماندگیاں اسے سماجی طور پر اپاہج کر دینے والی معذوری کے بطن سے باراست پیدا ہوئی ہیں۔

نقش لاثانی

نقش لاثانی جہان فقر کا سلطان ہے
نقش لاثانی مرے ہر درد کا درماں ہے
نقش لاثانی مرا حاصل مرا ارماں ہے
نقش لاثانی مرا ایمان میری جان ہے
نقش لاثانی مرا عرفاں مری برھان ہے

نقش لاثانی نواسا صاحبِ قرآن کا
نقش لاثانی اجالا فقر کا ایقان کا
نقش لاثانی امیں، فیضان کا احسان کا
نقش لاثانی محافظ دین کا ایمان کا
نقش لاثانی حیات روح کا سامان ہے

نقش لاثانی مرا محسن مرا محمود ہے
نقش لاثانی جمال حق سراپا جود ہے
اور کیا لکھوں کہ پروازِ نظر محدود ہے
نقش لاثانی ہی میری منزل مقصود ہے
نقش لاثانی ہی میرا ہادی ذیشان ہے

کس بلندی پر وہ ہے فائز خدارا دیکھئے
عصر حاضر میں ہے کون اسکی طرح یہ سوچئے
گر یقیں کامل ہے اچھا ہے وگرنہ آیئے
نقشِ لاثانی کی عظمت اپنے دل سے پوچھئے
نقش لاثانی شہِ کونین کا دربان ہے

کس زباں سے ہو غلام مصطفٰے مدحت سرا
نقش لاثانی کے ہر انداز پہ سو جاں فدا
حضرت آسی نے بھی واللہ کیا عمدہ کہا
چند اوراق شکستہ میں ہو ان کی مدح کیا
نقش لاثانی حیات زیست کا عنوان ہے

غلام مصطفٰی مجددی ایم اے

اظہار تشکر

ادارہ الحقیقہ جناب قیصر محمود زرگر (امیرِ شیرانِ اسلام ڈسکہ) کا شکر گزار ہے کہ انہوں نے اس شمارے کی اشاعت میں خصوصی تعاون کیا۔

(ادارہ)

اشاعت میں خصوصی تعاون کیا

ادارہ